بسم الله الرحمن الرحيم

محرم الحرام

ومسئلہ

سیدنا حسین ویزید

تالیف

فضیلۃ الشیخ عبد السلام رحمانی

جمعیۃ اہل الحدیث السندھ پاکستان (رجسٹرڈ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلہ مطبوعات 42

محرم الحرام

ومسئلہ

سیدنا حسین ویزید

جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)

کتاب نمبر ____________

تالیف

فضیلۃ الشیخ عبد السلام الرحمانی

ناشر

جمعیۃ اہلحدیث سندھ کراچی ڈویژن

کراچی دفتر: الراشدی مسجد اہلحدیث موسیٰ لین لیاری کراچی فون: 7511932

نام کتاب :............ محرم الحرام ومسئلہ سیدنا حسین ویزید

تالیف :............ شیخ عبدالسلام رحمانی

تاریخ اشاعت اول :...... محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق مارچ 2001

تعداد :............1100

قیمت :............ 46/- روپے

﴿ادارہ کی مطبوعات مندرجہ ذیل پتوں سے مل سکتی ہیں﴾

- ☆ دفتر جمعیت اہلحدیث سندھ جامع مسجد الراشدی' موسیٰ لین۔ کراچی فون: 7511932
- ☆ مکتبہ نور حرم ۶۰ نعمان سینٹر بلاک ۵ گلشن اقبال۔ کراچی فون: 4965124
- ☆ مکتبہ السنہ' جامع مسجد سفید اہلحدیث' سولجر بازار۔ کراچی
- ☆ مکتبہ توحید' محمد جنید' دلی مسجد دہلی کالونی۔ کراچی
- ☆ عتیق سنز، مین اردو بازار۔ کراچی فون: 2631220
- ☆ مکتبہ الدعوۃ السلفیۃ نزد محمدی مسجد اہلحدیث' پکا قلعہ دروازہ۔ حیدر آباد
- ☆ مکتبہ السلفیۃ' شیش محل روڈ۔ لاہور
- ☆ مکتبہ قدوسیہ' غزنی اسٹریٹ' اردو بازار۔ لاہور
- ☆ مکتبہ اسلامیہ بھوانہ بازار۔ فیصل آباد فون: 631204
- ☆ جامع مسجد عثمان بن عفان ؓ سیکٹر G-11/2۔ اسلام آباد

عرض مؤلف

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم النبیین وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن اھتدی بھدیہ الی یوم الدین۔

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے پہلی بار مارچ ۱۹۷۸ء میں "فضائل محرم ویوم عاشوراء ۔ ایک تنقیدی جائزہ" کے نام سے شائع کی گئی تھی ، اُس ایڈیشن میں اس کا صرف وہی حصہ شائع ہوا تھا جس میں فضائل محرم ویوم عاشوراء سے متعلق مرویات کے ذخیرہ کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا گیا تھا۔ اب یہ نیا ایڈیشن خاصے مفید اضافوں کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے اور ہم امید کرتے ہیں اب ان اضافوں سے کتاب کی افادیت المضاعف ہو گئی ہے۔

ذخیرۂ احادیث میں دین کے تقریباً جملہ امور سے متعلق ضعیف و موضوع روایات کا بھی ایک ذخیرہ ہے۔ گروہِ محدثین پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں کہ انھوں نے بڑی جانفشانی و ژرف نگاہی کے ساتھ اس پورے ذخیرہ کو کھنگالا اور صحیح کو سقیم سے ممتاز کر دیا۔

اسلام کے نادان دوستوں اور دانا دشمنوں نے بعض موضوعات کو خاص طور پر اپنی سخن سازیوں کا نشانہ بنایا ہے، انھیں امور میں سے فضائلِ محرم و یوم عاشوراء اور حضرت حسین و یزید کی منقبت و منقصت کا باب بھی ہے

جس کی بابت بڑی حدیثیں گھڑی گئیں اور بیان کی جاتی ہیں۔

فضائل محرم و یوم عاشوراء سے متعلق غیر صحیح مرویات جس قدر میرے علم میں آسکیں میں نے ان کی حیثیت واضح کر دی ہے اور حضرت حسین و یزید کی منقبت و منقصت پر مشتمل احادیث کی تحقیق کے بجائے ان کی بابت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تحقیقی موقف میں نے پیش کر دیا ہے جو اس موضوع پر ان کی محقق و معتدل تحریروں کا نچوڑ ہے اور جس کا مطالعہ تحقیق پسند ناظرین کے لئے ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا اور اسی سے ان روایات کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی۔

ابتداء کتاب میں ماہ محرم کا تعارف دے دیا گیا ہے اور ضمناً حادثۂ کربلا کی تحقیقی حیثیت اور اس سے متعلق بدعات پر فکر و نظر کے لئے چند سطور حوالۂ قلم کئے گئے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں ان شاء اللہ یہ اضافہ بھی مفید قرار پائے گا اور طالبانِ حق کے دل و دماغ کو اپیل کرے گا۔

وعلی اللہ قصد السبیل ومنھا جائر۔

ناچیز عبد السلام رحمانی
جامعہ سراج العلوم بونڈھیار
پوسٹ سکھوئیا۔ ضلع گونڈہ (یوپی)

۸ر فروری ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محرم الحرام، حادثہ کربلا اور مسلم قوم

محرم الحرام ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے "حرمت والے مہینے" قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حرمت والے مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ براۃ)

اسی مہینے سے ہجری سن شروع ہوتا ہے۔ ہجری سن کا استعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شروع ہوا۔ اس سے پہلے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہجرت اور وفات کے درمیانی سنین کو خاص خاص نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ مثلاً ہجرت کے بعد والے پہلے سال کو "سنہ اذان" دوسرے کو "سنہ امر بالقتال" تیسرے کو "سنہ تمحیص" چوتھے کو "سنہ ترفئہ" پانچویں کو "سنہ زلزال" چھٹے کو "سنہ استیناس" ساتویں کو "سنہ استغلاب" آٹھویں کو "سنہ استواء" نویں کو "سنہ براۃ" دسویں کو "سنہ وداع" کے نام سے یاد کرتے تھے لیکن ظاہر ہے اس طرح سنین کا تسلسل قائم رکھنا ممکن نہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۱۷ھ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری

نے جب کہ وہ یمن کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس طرف توجہ دلائی تو امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعہ کو اسلامی سنہ کی ابتداء قرار دے کر اسلامی سنین کا شمار شروع کیا اور چونکہ ۱۳ نبوت کے ماہ ذی الحجہ کے اواخر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا عزم کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد جو چاند نکلا وہ محرم کا تھا اس لئے حضرت عثمان ذوالنورین ؓ کے مشورہ سے محرم کو ہجری سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ (فتح الباری کتاب مناقب الانصار باب التاریخ، تحت حدیث نمبر ۳۹۳۴ ۔ رحمۃ للعالمین جلد ۲، باب ہشتم)

دین کی حفاظت وصیانت اور اس کی سربلندی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا آبائی وطن مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف جو ہجرت فرمائی تھی اور جس کی اقتدار آپ کے جاں نثار مہاجر صحابہ نے کی تھی ۔ یہ ہجری سن ہمیں اُس واقعہ کی یاد دلاتا ہے اور اگر دینی حس بیدار ہو تو دین کی بقاء وسربلندی کے لئے قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

اور یہ ماہِ محرم الحرام جسے اسلامی سن کا پہلا مہینہ ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے اس کی دسویں تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے روزہ رکھا ہے اور اس دن کے روزہ کو ایک خصوصی فضیلت والا روزہ قرار دیا ہے۔ رمضان کے روزے کی فرضیت سے پہلے محرم کی دسویں تاریخ (یوم عاشوراء) کا روزہ فرض تھا بعد میں یہ روزہ فرض تو نہیں رہا لیکن اس روزے کی مشروعیت

برقرار رہی۔

اس دسویں تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر نصف صدی کا عرصہ گذر جانے کے بعد محرم ۶۱ھ میں وہ واقعہ پیش آیا جو واقعہ کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو اسلامی تاریخ کا مشہور ترین واقعہ بن گیا ہے اور جس واقعہ نے استحقاق سے زیادہ ہمیں اپنی طرف کھینچا اور ضرورت سے زیادہ ہمیں الجھایا ہے۔ اس واقعہ کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس کو نیکی و بدی، یا جمہوریت و ملوکیت کی لڑائی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ قطعاً بے بنیاد ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مقابلہ یزید کی سیرت و عمل سے کیا جائے تو جگر گوشۂ رسول کا پلہ نیکیوں میں بھاری رہے گا اور اس میں بھی کلام نہیں کہ یزید نے اپنے افعال سے اسلام میں ملوکیت کی بنیادوں کو مستحکم کیا، لیکن ہم یہ ماننے سے قاصر ہیں کہ یہ لڑائی نیکی و بدی کے درمیان تھی یا اگر حضرت حسینؓ کامیاب ہو جاتے تو حکومت کا جو ڈھنگ سامنے آتا وہ جمہوریت کا ڈھنگ ہوتا۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ خلافت کی تقسیم بربنائے اقربیت ہونی چاہیے بربنائے انتخاب و مشورہ نہیں۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی بربنائے اقربیت ہی اپنے کو خلافت و حکومت کا حقدار سمجھتے تھے۔ لہٰذا اگر یزید صالح اور متقی بھی ہوتا تب بھی وہ اپنے نقطۂ نظر کی رعایت سے اس کی بیعت نہ کرتے۔ یہ تو محض ایک اتفاق ہے کہ دو لڑنے والوں میں ایک نہایت

متقی و صالح ہے اور دوسرا متہم بفسق و فجور۔

بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت جن واقعات کی بنا پر ہوئی ان کے پیچھے کوئی جمہوری تصور کارفرما نہ تھا نہ خود وہ تصور ہی اس کا محرک تھا جس کے وہ قائل تھے۔ وہ تو اہل کوفہ کے دھوکے اور غداری سے یکایک حالات بدل گئے اور ایسا ہوا کہ ان کو یزید کی فوج سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمانا پڑا۔

یہ ایک ناخوشگوار حادثہ تھا جو وقوع پذیر ہوا' اور عواقب و انجام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ امت مسلمہ کے لئے ایک منحوس ترین واقعہ ثابت ہوا۔ اس کے بطن سے بیشمار برائیوں اور گمراہیوں نے جنم لیا اور اس سے بدعات و خرافات کا وہ طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ اس دن کا جو اصل و مشروع کام تھا وہ بدعات کے اس طوفان میں مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ماہ محرم کا وہ دن جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا دن قرار دیا تھا اور جس دن کا خاص شرعی کام روزہ رکھنا تھا اس دن روزہ رکھنے کے بجائے بے شمار بدعات و خرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور عوام تو عوام کتنے خواص تک اس دن کی سنت صحیحہ سے بے تعلق ہو کر بدعات و خرافات کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان خرافات کو دینی کام سمجھتے ہیں۔

اب تو صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی حادثہ کربلا کی یاد شروع ہو جاتی ہے، اسٹیج سجنے لگتے ہیں اور شیعوں

و خرافیوں ہی کے حلقے میں نہیں بلکہ خرافات سے خود کو مستثنیٰ سمجھنے والوں کے حلقوں میں بھی بڑا زور شور پیدا ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے ثقہ حضرات تک فضائل محرم و حادثۂ کربلا و شہید کربلا سے متعلق بے سر و پا روایات کو پورے زور و قوت کے ساتھ بیان کرتے نظر آتے ہیں اور پورا عشرہ تقاریر کا سلسلہ چلتا ہے اور وعظ و بیان کی محفلیں جمتی ہیں۔ اُن کی بلا سے روایات بے بنیاد ہوں اور بیان خلافِ تحقیق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی اس موضوع پر تحقیقی معلومات سے عموماً عاری ہوتے ہیں۔ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے معاملہ میں جذبات کا شکار ہوتے ہیں اور فضائل محرم و یوم عاشورار کی بابت بے بنیاد روایتوں کو صحیح اور حقیقت سمجھتے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخ اسلام کا کوئی نادر الوجود واقعہ نہیں ہے۔ اُن سے بھی بڑے بڑے صحابہ اور اس سے بھی اعلیٰ اعلیٰ مقاصد کے لئے لڑے اور شہید ہوئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، نہ صحابۂ کرام نے، نہ اُن کے اتباع اخیار نے، نہ ائمۂ عظام نے سال بہ سال ان کے تذکرۂ شہادت کی محفلیں منعقد کیں، نہ اُن کی برسی منائی، نہ اُن پر سالانہ عزا و ماتم کا کوئی سلسلہ جاری کیا۔ حادثۂ کربلا کے بعد ہی کی پیداوار ائمۂ کرام ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد، بخاری، مسلم، حسن بصری و پیران پیر وغیرہ ائمہ و اولیاء و بزرگان ہیں کیا ان حضرات نے بھی اس حادثے کے سلسلہ میں وہ سب کچھ کیا جو آج کیا جا رہا ہے۔ یا وہ سب کرنے کو کہا جس کا اِس مہینہ کے شروع ہوتے ہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم کے لفظوں میں : جوانانِ جنت کے سردار کی برسی اس ماہ میں ہر جگہ کے طول و عرض میں منائی جائے گی لیکن کیونکر اور کس طرح ؟ اس کے سُرخ سُرخ خون کی یاد میں نئے نئے سبز رنگ کے کپڑے رنگ کر پہنے جائیں گے۔ وہ بھوکا رہا تھا اس کی بھوک کی یاد میں لذیذ کھانے کھائے جائیں گے اور گھر مزیدار حلوے اور شیرمالوں کے حصے تقسیم ہوں گے۔ وہ پیاس میں تڑپا تھا اس کی پیاس کو یاد کر کے برف اور دودھ ڈال کر اعلیٰ درجہ کے مکلف شربت تیار ہوں گے اور اُن کے کئی کئی گلاس زیرِ حلق اتارے جائیں گے۔ اس نے اپنی راتیں رکوع و سجود میں قیام و تلاوت میں مناجات و زاری میں بسر کی تھیں اور اس کی برسی منانے والے مٹی کے چراغ، بجلی کے قمقمے اور گیس کے ہنڈے جلا جلا کر ساری رات ایک میلہ اور جشن قائم رکھیں گے۔ اس کے گھر کی معزز خواتین معاذاللہ موسیقی کا ذکر ہی کیا شاید شاعری کے بھی قریب نہیں گئی تھیں۔ اس گھرانے کی باندی اور کنیز ہونے پر فخر کرنے والی عورتیں اپنی راتیں خوش الحانی کی پوری رعایت کے ساتھ سوز خوانیوں کے کمالات دکھانے میں بسر کر دیں گی۔ اُس کے کان میں شاید ساری عمر کبھی باجے کی آواز نہ پڑی ہو، آج اُس کے نام پر عشرہ بھر ہر ہر گلی کوچہ ڈھول اور تاشوں کے شور سے گونج کر رہے گا۔ تعزیے اٹھیں گے، عَلَم گشت کریں گے، براق بنیں گے، مجلسیں برپا ہوں گی، کہیں چائے تقسیم ہوگی، کہیں شیرمال بنیں گے۔ غرض پورے دس دن خوب دل کھول کر جشن رہے گا، جو کھانے

کبھی نہ کھائے تھے کھانے میں آئیں گے، جو منظر کبھی نہ دیکھے تھے دیکھنے میں آئیں گے۔

اور سب کچھ کون کرے گا؟ آریہ نہیں، یہودی نہیں، عیسائی نہیں ہندو نہیں، سکھ نہیں، پارسی نہیں، دشمن نہیں دوست، غیر مسلم نہیں اپنے کو مسلمان کہلانے والے اور مسلمانوں میں بھی اپنے کو سُنّی کہنے والے اور اپنے اہل سنت ہونے پر فخر کرنے والے لوگ کریں گے، اور اگر کوئی اس سارے ہنگامۂ عیش و عشرت کے خلاف اس یادِ ایام کے نہیں، تمسخر یادِ ایام کے خلاف زبان کھولے تو وہ مردود ہے، دشمن اہل بیت ہے، لامذہب ہے، بے دین ہے اور سب کے عقائد کو بگاڑنے والا ہے۔

(منقول از ہفت روزہ المنبر فیصل آباد، شمارہ ۶، دسمبر ۷۸ء)

اور جب کہ ان بدعات وخرافات کا ثبوت نہ اُس امام سے ہے جس امام کی یہ حضرات تقلید کرتے ہیں یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نہ ان کے تلامذہ وفقہائے حنفیہ سے، نہ فقہ حنفی کی مشہور ومعتبر کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ ہدایہ، شرح وقایہ، قدوری، کنزالدقائق وغیرہ سب کتابیں اس کے ذکر سے خالی ہیں، حتیٰ کہ ان کے "اعلیٰ حضرت" مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی اِن بدعات وخرافات کو ناجائز کہا ہے۔ ان کی بعض تحریریں ملاحظہ فرمائیں۔

① تعزیہ آثار دیکھ کر اعراض و رو گردانی کریں۔ اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہیئے۔ (عرفان شریعت، حصہ اول، ص ۱۵)

② سوال کیا گیا: محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے

یا نہیں؟ جواب دیا: ناجائز ہے، وہ مناہی و منکرات سے پُر ہوتے ہیں۔ (عرفانِ شریعت، حصہ اول، ص ۱۶)

(۳) سوال کیا گیا: کیا فرماتے ہیں مسائل ذیل میں:
(۱) بعض سنت جماعت عشرۂ محرم میں نہ تو روٹی پکاتے ہیں، نہ جھاڑو دیتے ہیں، کہتے ہیں بعد دفن روٹی پکائی جائے گی۔
(۲) اس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔ (۳) ماہِ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔
جواب دیا: تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔
(احکامِ شریعت، حصہ اول، ص ۸۹)

(۴) عشرۂ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت محل عبادت ٹھہرا تھا ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ (تعزیہ داری، ص ۴)

(۵) کچھ اتارا باقی توڑا اور دفن کر دیئے۔ یہ ہر سال اضاعتِ مال کے جرم میں دو وبال جُداگانہ ہیں۔ اب تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز حرام ہے۔ (حوالہ مذکور)

(۶) تعزیہ پر چڑھا ہوا کھانا نہ کھانا چاہیئے۔ اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دیں تو بھی اس کے کھانے سے احتراز کریں۔
(تعزیہ داری، ص ۱۱)

(۷) سوال کیا گیا: تعزیہ بنانا اور اس پر نذر و نیاز کرنا، عرائض بہ امید حاجت برآری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخلِ

حسنات جاننا کیسا گناہ ہے؟
جواب دیا : افعالِ مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعتِ سیئہ وممنوع و ناجائز ہیں۔ (تعزیہ داری، ص ۱۵)

دیکھا آپ نے بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت نے بھی محرم کی ان بدعات و خرافات کو حرام و ناجائز کہا ہے۔ پھر بھی بریلوی علماء ہیں جنہوں نے مسلم عوام کو اپنے مختصر سے دُنیوی مفاد کی خاطر ان بدعات و خرافات میں مبتلا کر رکھا ہے اور یہ عوام بھی ہیں جنہیں ہوش نہیں آتا کہ یہ سب بدعات کر کے آخر وہ کس کی پیروی کر رہے ہیں، قرآن و حدیث میں تو اسکا ذکر نہیں، نہ ہمارے رہنما و پیشوا نبی برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے روزہ کے علاوہ اُس دن یا اُس مہینے کی مناسبت سے کچھ کیا ہے نہ فرمایا ہے۔ نہ تابعین و تبع تابعین نے ہی یہ خرافات کئے ہیں، نہ امامانِ دین نے جن کی یہ حضرات تقلید کرتے ہیں یہ سب کیا ہے نہ فرمایا ہے۔ نہ فقہائے امت سے اس کا ثبوت ہے نہ فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر ہے حتیٰ کہ ان حضرات کے اعلیٰ حضرت بھی اسے حرام و ناجائز کہتے ہیں۔ پھر یہ حضرات یہ اسلام و ذاتِ رسالت فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا دم بھرنے والے آخر یہ بدعات و خرافات کس کے حکم سے اور کس کی پیروی میں کر رہے ہیں۔

خرد بسوخت ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

فضائل ماہ محرم
و
یوم عاشوراء
ایک تحقیقی جائزہ

محرم اُن چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حرمت والے مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں۔ (بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ براءت) یوں تو ہر مہینہ میں اور ہر آن و ہر گھڑی فتنہ و فساد، قتل و غارتگری اور فسق و فجور سے بچنا ضروری ہے مگر ان حرمت والے مہینوں میں ان سے خصوصاً احتراز کرنا چاہیئے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کی حرمت مسلم تھی اور وہ جاہلی عرب بھی ان مہینوں کی حرمت کا خیال رکھتے تھے۔ وہ کسی مہینہ کو ماہِ حرام قرار دیتے ہوئے اس میں فسق و فساد اور قتل و غارت گری کی جسارت نہ کرتے تھے۔ اگر کسی ماہِ حرام میں انہیں یہ حرکتیں کرنی ہوتیں تو وہ اُس ماہِ حرام

کو کچھ پیچھے ہٹا دیا کرتے تھے مگر ان سے یہ جسارت نہ ہوتی تھی کہ کسی مہینہ کو ماہِ حرام قرار دیتے ہوئے اس میں فسق و فساد اور قتل و غارت گری کے مرتکب ہوں۔ ان کی اس حرکت کو "نسیء" کے نام سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے، فرمایا: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا ..... الآیۃ۔ بیشک مہینوں کی تعداد آسمان و زمین کی روزِ پیدائش سے نوشتۂ الٰہی میں بارہ ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں یہی امر محکم ہے، پس ان چار مہینوں میں تم اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو، جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں، اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے۔ نسیء تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کئے جاتے ہیں کسی سال ایک مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں تا کہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری بھی ہو جائے اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی ہو جائے، ان کے برے اعمال ان کیلئے خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور خدا منکرینِ حق کو راہ یاب نہیں کرتا۔ (سورۂ توبہ: ۳۶)

الغرض جاہلی عربوں میں بھی ان حرمت والے مہینوں کے اندر معاصی سے اجتناب کا اس قدر جذبہ تھا کہ وہ اس کی خاطر نسیء جیسی کافرانہ حرکت کا ارتکاب کر بیٹھتے تھے مگر ماتم کیجئے اس امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گمراہی و بے حسی پر کہ ان جاہلی عرب کے برابر بھی ان حرمت والے مہینوں کی حرمت کا احساس اس امت کے اندر باقی نہیں رہا۔ یہ امت محرم جیسے ماہِ حرام میں فسق و فجور، عصیان و معصیت اور جرم و فساد

کا وہ طوفان اٹھاتی ہے کہ الامان والحفیظ۔

ماہِ محرم کا وہ دن جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا دن قرار دیا تھا اور اُسے کفارۂ سیئات ٹھہرایا تھا، عین اُسی دن کو اس قدر بدعات و خرافات کی نذر کر دیا گیا کہ عوام تو عوام کتنے خواص تک اس مہینہ کی سنتِ صحیحہ سے بے تعلق ہو کر بدعات و خرافات کو دین سمجھ بیٹھے ہیں اور ضعیف و موضوع روایات کا اتنا انبار لگا دیا گیا اور حُبِ آلِ نبی کے نام پر اتنے رسم و رواج وضع کر لئے گئے کہ:

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

حیرت ہوتی ہے کہ ایسے حالات میں جب کہ شیعوں اور خُرافیوں نے موضوع و مہمل روایات کے بیان و اشاعت میں ایک طومار باندھ رکھا ہے اور عوام ان موضوع روایات کو حدیثِ رسول سمجھ بیٹھے ہیں، بسا اوقات اہلِ حدیث اور حلقۂ دیو بند کے اسٹیج و صحافت سے بھی انھیں موضوع و مہمل روایات کا بیان بلا نقد و تحقیق ہونے لگتا ہے اور فضائل محرم و حادثۂ کربلا و شہیدِ کربلا سے متعلق بے سر و پا روایات کے بیان میں بڑے بڑے ثقہ حضرات اور خاصے مسجع و مقفّٰی صاحبانِ جبّہ و دستار جھومتے نظر آتے ہیں۔

اس صورتِ حال سے متأثر ہو کر میرا ارادہ ہوا ہے کہ میں اپنے علم کی حد تک اُن تمام روایات کی حیثیت واضح کر دوں جو ماہِ محرم کی بابت نقل کی جاتی ہیں اور بڑے کرّ و فر کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں تاکہ ان

روایات کی حقیقت سے ناواقف حضرات ان کی حقیقت سے واقف ہوجائیں اور ان غیر صحیح روایات کے چکر میں نہ پڑیں۔

ان روایات کے ذکر سے پہلے اجمالی طور پر میں یہ بات واضح کردینی چاہتا ہوں کہ ماہِ محرم میں صحیح روایات سے روزہ کے سوا کوئی عمل ثابت نہیں ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ "منہاج السنۃ" میں فرماتے ہیں: "اور جیسا کہ عاشورار کے دن فضائل کے باب میں اہل و عیال پر وسعت اور مصافحہ و خضاب و غسل کی برکت وغیرہ کے متعلق حدیثیں بیان کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس دن ایک خاص نماز پڑھنی چاہیئے، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب و افترا ہے۔ محرم میں صوم عاشورار کے سوا کوئی عمل بسند صحیح ثابت نہیں۔" (ج ۴، ص ۱۱۱، مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ)

اور علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں:

"اہلِ سنت کے ایک جاہل گروہ نے یہ مذہب بنا لیا ہے کہ رافضیوں کو چڑھانے کے لئے (جو کہ اس دن ماتم کرتے ہیں) اس دن کی فضیلت میں بہت سی جھوٹی روایات گھڑ لی ہیں۔ ہم ان دونوں گروہوں سے بَری ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن روزہ کا حکم صحیح طور پر ثابت ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ اس دن کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا، مگر ان لوگوں نے اس ثابت شدہ عمل مشروع پر قناعت نہیں کی۔ حدیث صحیح سے اعراض کر کے لمبی چوڑی کہانیوں میں کھو گئے اور جھوٹ گھڑنے تک ترقی کر گئے۔"

(کتاب الموضوعات ج ۲، ص ۱۹۹، مطبوعہ مصر ۱۹۶۶ء)

اس تمہید کے بعد ابن الجوزی نے موضوع[1] روایات کا ذیلی عنوان قائم کرکے ماہِ محرم و یومِ عاشوراء کی بابت مروی بعض احادیث ذکر کی ہیں۔ پہلی حدیث انہوں نے یہ ذکر کی ہے:

(1) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر سال میں ایک دن یوم عاشوراء کا روزہ فرض کیا ہے جو محرم کا دسواں دن ہے پس تم لوگ بھی اس دن روزہ رکھو اور اپنے اہل پر اس دن خرچ میں کشادگی کرو، اس لئے کہ جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل پر کشادگی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال کشادگی کریگا، تم اس دن روزہ رکھو، کیونکہ یہی دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آدم کی توبہ قبول کی ہے، اسی دن ادریس کو بلند مقام پر اٹھایا ہے[2]، اسی دن

---

[1] موضوع اُس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے جان بوجھ کر کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ موٹ منسوب کر دینی ثابت ہو، ایسے راوی کی تمام روایتیں محدثین کی اصطلاح میں موضوع کہی جاتی ہیں اور وہ قابل قبول نہیں ہوتیں، ان کا شمار مردود روایات میں ہوتا ہے۔

[2] سورۂ مریم، آیت: ۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کی بابت فرمایا ہے: "وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا" جس کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کو درجۂ بلند عطا کیا تھا مگر اس موقع پر ہمارے مفسرین نے خواہ مخواہ بعض اسرائیلی روایات نقل کر ڈالی ہیں اور انہیں اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر یہ بات ہمارے یہاں بھی مشہور ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس کو آسمان پر اٹھا لیا تھا اور ان کی موت وہیں آسمان پر ہوئی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: "ادریس علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا کسی بھی مرفوع سند سے ثابت نہیں ہے"۔

(فتح الباری شرح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ذکر ادریس)

ابراہیم کو آگ سے بچایا ہے، اسی دن نوح کو کشتی سے اُتارا ہے، اسی دن موسیٰ پر توراۃ نازل کی ہے، اسی دن اسماعیل کو فدیہ دے کر ذبح سے بچایا ہے، اسی دن یوسف کو قید سے نکالا ہے، اسی دن یعقوب کی بینائی لوٹائی ہے، اسی دن ایوب سے مصائب دور کئے ہیں، اسی دن یونس کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا ہے، اسی دن بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑا ہے، اسی دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے ہیں، اسی دن موسیٰ کو سمندر سے پار اُتارا ہے، اسی دن قوم یونس کو توبہ کی توفیق دی ہے۔ پس جس شخص نے اس دن روزہ رکھا تو اُس دن کا روزہ اس کے لئے چالیس سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ یوم عاشورا ہی دُنیا کا وہ پہلا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ ایام میں سب سے پہلے پیدا کیا ہے، اور اُسی دن آسمان سے سب سے پہلی بارش اتاری ہے، اور اسی دن اپنی سب سے پہلی رحمت نازل کی ہے تو جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اس نے گویا پورا زمانہ روزہ رکھا اور یہی عاشوراء کا روزہ انبیاء کا روزہ ہے، اور جس نے عاشوراء کی پوری رات عبادت میں گزاری اس نے گویا ساتوں آسمان کے عبادت گزاروں جیسی خدا کی عبادت کی، اور جس نے اس دن چار رکعت نماز پڑھی، ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۃ الحمد اور پچاس مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کی پچاس سال گذشتہ اور پچاس سال آئندہ کی خطائیں بخش دے گا، اور اس کے لئے ملأ اعلیٰ میں ایک کروڑ نور کے منبر بنائے گا، اور جس نے اس دن کسی کو ایک گھونٹ پانی پلا دیا تو اس

نے گویا ایک لمحہ بھی خدا کی نافرمانی نہ کی، اور جس نے اُس دن مسکینوں کے کسی گھرانے کو آسودہ کر دیا وہ پُل صراط پر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گذر جائے گا، اور جس نے اُس دن کوئی صدقہ کیا اس نے گویا کبھی بھی کسی سائل کو محروم واپس نہیں کیا، اور جس نے اُس دن غسل کر لیا وہ مرض الموت کے سوا کسی مرض میں مبتلا نہ ہوگا، اور جس نے اُس دن سُرمہ لگایا اس کو سال بھر آشوب چشم کی شکایت نہ ہو گی، اور جس نے اُس دن کسی یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر دیا اُس نے گویا بنی آدم کے سارے یتیموں کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا، اور جس نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اس کو دس ہزار فرشتوں کا، ایک ہزار حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کا اور ایک ہزار شہیدوں کا ثواب دیا جائے گا اور ساتوں آسمان بھر کا ثواب دیا جائے گا۔ یوم عاشوراء ہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں اور سمندروں کو پیدا کیا اور اسی دن عرش اور لوح و قلم پیدا کیا اور جبرئیل علیہ السلام کو بھی اسی دن پیدا کیا، اسی دن عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا، اسی دن سلیمان علیہ السلام کو حکومت عطا کی، اور اسی دن قیامت قائم ہو گی، جس نے اس دن کسی مریض کی عیادت کی اس نے گویا بنی آدم کے سارے مریضوں کی عیادت کی۔ (الموضوعات ج ۲ ص ۲۰۱)

سبحان اللہ! ؎

پاپوش میں لگادی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

جس وضاع و کذاب نے یہ حدیث گھڑی ہے حد کر دی حدیث

گھڑنے کی بھی۔ کوئی احمق ہی ہوگا جو اس مضحکہ خیز روایت کو حدیث رسول مان بیٹھے گا۔ ہم سمجھتے ہیں ایسی مہمل اور مُضحِک روایتوں کی تحقیق اور اس کے رجال پر کلام کرنا ہی فضول ہے۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں: اس روایت کے موضوع ہونے میں کسی بھی سمجھدار کو شک نہیں ہوسکتا۔ گھڑنے والے نے کمال ہی کر دیا، کیسے کیسے مخفی گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے، اسے ذرا بھی شرم نہ آئی کہ وہ کتنی ناممکن بات کہے جا رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عاشوراء کا دن وہ پہلا دن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ ایام میں سب سے پہلے پیدا کیا۔ کتنا بدھو ہے اس کا گھڑنے والا کہ وہ دن جس کا نام ہی ہے عاشوراء (یعنی دسواں دن) تخلیقِ ایام میں وہ پہلا دن کیسے قرار پایا جب کہ اس کو دسواں دن ہونے کے لئے نو دن کا وجود اس سے پہلے ضروری ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ یومِ عاشوراء ہی کو آسمان و زمین و پہاڑ سب پیدا کئے گئے، حالانکہ صحیح روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو سنیچر کے دن اور پہاڑوں کو اتوار کے دن (یعنی دو الگ الگ دنوں میں) پیدا کیا ہے۔ اور اس موضوع روایت میں ثواب کا جو طول و عرض بیان کیا گیا ہے وہ کسی طرح بھی محاسنِ شریعت سے میل نہیں کھاتا، یہ کیسے مستحسن قرار دیا جاسکتا ہے کہ کوئی آدمی ایک دن کا روزہ رکھ لے تو اسے ہزار حاجیوں و عمرہ کرنے والوں اور شہیدوں کا ثواب دے دیا جائے۔ یہ اصولِ شرع کے خلاف ہے۔ اگر ہم اس روایت پر یکے بعد دیگرے تنقید کریں تو بات لمبی ہو جائے گی، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ موضوع روایت ہے مگر یہ عجیب معاملہ ہے

کہ یہ موضوع روایت ثقہ رُواۃ کی حدیثوں میں گھسیڑ دی گئی ہے (یعنی سند میں ثقہ رُواۃ ذکر کر دیئے گئے ہیں)۔ (الموضوعات، ج۲، ص ۲۰۱)

حافظ سیوطیؒ "اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعہ" ص ۲۴۸ میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "رجالہ ثقات والظاہر ان بعض المتاخرین وضعہ ورکبہ علی ھٰذا الاسناد" اس کے راوی ثقہ ہیں، لگتا ایسا ہے کہ متاخرین میں سے کسی نے یہ حدیث گھڑی ہے اور اس میں ثقہ رُواۃ کی یہ سند جوڑ دی ہے۔

ابن الجوزی نے اس تبصرہ کے بعد اس سند کے ایک راوی پر ائمہ جرح و تعدیل کا کچھ کلام بھی نقل کیا ہے، اس کے بعد ایک دوسری سند سے بروایت ابن عباس یہ حدیث ذکر کی ہے کہ:

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا اس کے لئے ساٹھ سال کے صیام و قیام کی عبادت لکھ دی جائے گی، اور اس کو دس ہزار فرشتوں، ایک ہزار حاجیوں وعمرہ کرنے والوں اور دس ہزار شہیدوں کا ثواب دیا جائے گا، اور اس کے نامۂ اعمال میں ساتوں آسمان بھر کا ثواب لکھ دیا جائے گا، اور جس کے پاس عاشوراء کے دن کوئی مومن افطار کرے گا تو گویا اس کے پاس ساری امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے افطار کیا، اور جس نے اس دن کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیا اس نے گویا آپ کی امت کے تمام فقیروں کو کھانا کھلایا اور آسودہ کیا، اور جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تو اس یتیم کے سر کے ہر بال کے عوض جنت میں اس کا ایک ایک درجہ بلند کیا جائیگا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر تو اے اللہ کے رسول! یومِ عاشوراء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی فضیلت عطا کی ہے۔ آپ نے فرمایا بیشک عطا کی ہے، یہی تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین، پہاڑ، تارے، لوح و قلم، جبرئیل، فرشتے، آدم اور ولد ابراہیم کو پیدا کیا ہے، اسی دن انہیں آتشِ نمرود سے صحیح وسالم نکالا ہے، اسی دن اسمٰعیل کو ذبیحہ کا فدیہ دے کر بچایا ہے، اسی دن فرعون کو ڈبویا ہے، اسی دن ادریس کو اٹھایا ہے اور اسی دن انہیں پیدا کیا ہے، اسی دن آدم کی توبہ قبول کی ہے، اسی دن داؤد کی مغفرت کی ہے، اسی دن سلیمان کو سلطنت دی ہے، اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ہے، اسی دن خدائے تعالیٰ عرش پر جلوہؒ فرما ہوا ہے، اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں: یہ حدیث بھی بلاشبہ موضوع ہے۔ امام احمد نے فرمایا: (اس حدیث کا ایک راوی) حبیب بن ابی حبیب جھوٹا راوی ہے۔ ابن عدی نے کہا: یہ شخص حدیثیں گھڑتا ہے۔ ابوحاتم نے کہا: یہ حدیث باطل اور بے بنیاد ہے۔ حبیب مَرو کا باشندہ ہے، حدیثیں گھڑ کر ثقہ راویوں پر چسپاں کر دیتا ہے، اس کی حدیثیں نقل کرنی جائز ہی نہیں ہیں مگر یہ کہ بطورِ تنقید نقل کی جائیں۔ (الموضوعات ج ۲ ص ۲۰۲)

حافظ سیوطی نے بھی "اللآلی المصنوعہ" میں اسے نقل کیا ہے اور اسی حبیب کو اس موضوع روایت کا سبب قرار دیا ہے۔ (ص ۲۶۷)

پھر موضوع روایات کے تحت ابن الجوزی نے یہ تیسری حدیث

نقل کی ہے کہ :

(۴) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اپنے اہل پر عاشوراء کے دن کشادگی کی، اللہ تعالیٰ اس پر سال بھر کشادگی کرے گا۔"

ابن الجوزی فرماتے ہیں، عقیلی نے کہا اس حدیث کا راوی ہیصم مجہول ہے اور حدیث غیر محفوظ ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس شخص کی روایات سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کو سلیمان بن ابی عبداللہ نے بھی ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ عقیلی نے کہا سلیمان مجہول ہے اور حدیث غیر محفوظ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی مسند روایت میں یہ قول ثابت نہیں۔ (الموضوعات، ج ۲، ص ۲۰۳)

یہ حدیث عبداللہ بن مسعود اور ابو ہریرہ کے علاوہ ابو سعید اور جابر سے بھی روایت کی گئی ہے اور اسے بہت سے محدثین نے اپنی مصنفات میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو رزین نے اپنی جامع میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں، ابن عدی نے اپنی مسند میں، ابن عبدالبر نے الاستذکار میں اور بعض دوسرے محدثین نے اپنی بعض مصنفات میں ذکر کیا ہے۔ سیوطی نے اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۳۶۹ میں اس روایت کو کئی سند سے ذکر کر کے اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ابو الفضل بن ناصر نے اس کے بعض طرق کو صحیح کہا ہے، امام بیہقی و حافظ عراقی اس کی تحسین کے حق میں ہیں، اور حافظ سخاوی کا میلان بھی جابر عند عبدالبر والی حدیث کی تحسین کی طرف ہے اور صاحب

مرعاۃ (حفظہ اللہ) کے نزدیک بھی امام بیہقی کا رجحان معتمد ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا: ہم نے اس کا تجربہ کیا تو اس کو ایسا ہی پایا۔ جابرؓ، ابو الزبیر اور شعبہ سے بھی یہی منقول ہے۔ (مرعاۃ، ج ۳، ص ۱۷۵)

شیخ ناصر الدین البانی (حفظہ اللہ) اپنی تعلیق مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"هو حديث ضعيف من جميع طرقه، وحكم عليه شيخ الاسلام ابن تيمية بالوضع فما ابعد، والشريعة لا تثبت بالتجربة"۔

یہ حدیث، من جمیع طرق ضعیف ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسے موضوع کہا ہے، اور اس کا موضوع ہونا کچھ مستبعد نہیں، رہا فلاں وفلاں کا تجربہ، سو تجربہ شریعت میں حجت نہیں۔ (ج ۱، ص ۱۶۰۳)

اُوپر گذرا کہ ابن الجوزی نے اسے موضوع روایات میں شمار کیا ہے اور امام ابو جعفر عقیلی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی مسند روایت میں یہ قول ثابت نہیں۔ آٹھویں صدی کے محدث وفقیہ حافظ ابن رجب "لطائف المعارف" میں فرماتے ہیں: "وقد روي من وجوه متعددة لا يصح فيها شيء"۔ یہ حدیث کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے مگر کوئی بھی روایت اس بارے میں صحیح نہیں ہے۔ (ص ۵۲)

منہاج السنۃ (ج ۲، ص ۲۴۸ و ج ۴، ص ۱۱) وفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ج ۲، ص ۲۵۴) میں اس حدیث کے متعلق امام احمد سے منقول ہے: "لا اصل له" (اس روایت کی کوئی اصل نہیں) "فلم يره شيئاً" (امام احمد نے اس روایت کو کچھ شے نہیں سمجھا) حافظ ذہبی، ابن وضاح

اور صاحب سفر السعادۃ کے رویّہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک موقع پر عاشوراء سے متعلق جھوٹی روایتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

توسیع النفقات فیہ هو من البدع المحدثة المقابلة للرافضة وقد وضعت فی ذلك احادیث مكذوبة فی فضائل ما یصنع فیه وصححها البعض كابن ناصر وغیره ولكن لیس فیها ما یصح، لكن رویت لاناس اعتقدوا صحتها فعملوا بها ولم یعلموا انها كذب۔

(اقتضاء الصراط المستقیم، ص ۳۰۱، مطبوعہ مصر، سنہ ۱۹۵۰ء)

"یعنی عاشوراء کے دن نفقہ میں فراخی کرنا، ان بدعتوں میں سے ہے جو روافض (مدعیان حبّ اہل بیت) کے بالمقابل وضع کی گئی ہیں اور ان بدعات کے فضائل میں بہت سی جھوٹی روایتیں گھڑلی گئی ہیں اور ابن ناصر وغیرہ بعض حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے حالانکہ اس باب میں کوئی بھی صحیح روایت نہیں ہے۔ کچھ لوگوں نے لاعلمی میں اس کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل کیا ہے۔"

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اس روایت کی بابت ایک تبصرہ میں فرماتے ہیں: یہ روایت ہرگز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ حافظ سیوطی نے جو اس کی دو چار سندیں ذکر کی ہیں ان سب میں ایسے مجروح راوی ہیں جن کی وجہ سے کثرتِ طرق کے باوجود یہ روایت درجۂ اعتبار سے

ساقط ہے۔ عبداللہ بن مسعود والی سند میں دو راوی نہایت کمزور ہیں اور ابو ہریرہ والی ایک سند میں ہیصم بن شداخ بہت ہی ضعیف ہے اور دوسری میں سلیمان ہے جو مجہول ہے اور جابر والی سند میں دو راوی ہیں جن کو محدثین نے وضاع (جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) کہا ہے۔ ایک سند کے متعلق حافظ ابن حجر نے فرمایا: یہ سخت منکر ہے۔ (لسان المیزان) نیز اس میں ایک خارجی راوی ہے، اور ابو سعید والی سند میں مجہول راوی ہیں اور دو راوی متروک ہیں۔

اس حدیث کی بعض سندوں میں خارجی راوی ہیں اور زیادہ تر کوفی و بصری ہیں جہاں خروج و نصب (عداوت علی و حسین) کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ مدعیانِ حبِّ اہلِ بیت نے اگر اس دن ماتم کی چیزیں پیدا کرلیں تو دشمنانِ اہلِ بیت نے ان کے مقابل مسرت کے امور اس دن کے لئے گھڑ لئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: قتل حسین کے سبب شیطان نے دو بدعتیں پیدا کر دیں: ایک تو مدعیانِ حبِّ حسین (رافضیوں) کے ذریعہ جنہوں نے اس دن کو یومِ ماتم بنالیا۔ دوسری بدعت دشمنانِ علی و حسین (خارجیوں) کے ذریعہ جنہوں نے اس دن کے لئے مسرت کے بہت سے عمل وضع کرلئے اور انہوں نے یہ حدیث گھڑی کہ جو شخص یوم عاشورا کو اپنے اہل پر کشادگی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال کشادگی کرے گا وغیرہ وغیرہ۔ (منہاج السنۃ ج۲، ص ۲۴۸ ملخصاً)

اور اس قسم کی روایات گھڑ لینا اہل بدعت کا عام شیوہ تھا، بسا اوقات مدعیانِ اہلِ حق بھی اپنی نادانستگی کے سبب ایسی روایتیں

سُن کر بیان کرنے لگتے تھے جیسا کہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے منہاج السنۃ و فتاوی و اقتضاء الصراط المستقیم میں اور حافظ ابنِ حجر نے تہذیب التہذیب اور لسان المیزان میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

نیز ان مجہول راویوں اور ضعیف سندوں کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین و ائمہ کے زمانوں میں اس توسیع نفقہ کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے برعکس امام محمد بن وضاح نے اپنی کتاب "البدع المنھی عنھا" میں امام یحییٰ بن یحییٰ (المتوفی ۲۳۴ھ) سے نقل کیا ہے:

"میں امام مالکؒ کے زمانہ میں مدینہ منورہ اور امام لیث و ابن القاسم و ابنِ وہب کے ایام میں مصر میں موجود تھا اور یہ دن (یومِ عاشوراء) وہاں آیا تھا، مگر کسی سے میں نے اس توسیع نفقہ کا ذکر تک نہیں سُنا، اگر ان کے ہاں کوئی ایسی روایت ہوتی تو باقی احادیث کی طرح اس کا بھی وہ ذکر کرتے۔" (ص ۴۵)

امام ابنِ وضاح اور یحییٰ بن یحییٰ تیسری صدی کے بلند پایہ محدث و فقیہ ہیں۔ اُن کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل جس کسی کا تھا بلا ثبوت تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سلف کا زمانہ دوسری بدعات کے ساتھ توسیع نفقہ سے بھی خالی تھا۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"دس محرم کو خاص کھانا پکانا وغیرہ منجملہ بدعات و

منکرات سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا یہ طریقہ نہ تھا، نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اس کو مستحب اور کارِ ثواب سمجھا، نہ امام مالک، احمد، شافعی، اسحاق بن راہویہ وغیرہ دیگر ائمہ مسلمین نے۔"

(فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۲۵ ص ۳۱۴)

نیز فرماتے ہیں:

"یومِ عاشوراء کو شیعوں نے ماتم وغیرہ کی بدعت نکالی اور ناصبیوں نے سرمہ لگانا، غسل کرنا، عیال پر کشادگی کرنا وغیرہ مشروع قرار دیا۔ یہ ایک بدعت ہے جو دشمنانِ حسین نے نکالی اور وہ ایک بدعت ہے جسے محبانِ حسین نے وضع کی، اور جو بدعت بھی ہو وہ گمراہی ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے علاوہ ائمہ اسلام نے نہ اِس کو پسند کیا ہے نہ اُس کو، اور ان دونوں بدعتوں میں سے کسی کے لئے بھی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یومِ عاشوراء کو صرف روزہ رکھنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ اسکے ساتھ نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھا جائے۔"

(منہاج السنۃ، ج ۲، ص ۲۴۸)[1]

---

[1] مختلف مقامات کا جائزہ لیجئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ بعض دوسرے مکاتب فکر کی طرح اہلِ حدیثوں میں بھی کچھ ایسی چیزیں رواج پا گئی ہیں جو دین سمجھ کر کی جاتی ہیں، حالانکہ انکا دینی امر ←

(۴) حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں "باب فی صیام عاشوراء" کے تحت یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رجب ایک عظیم الشان مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نیکیاں چند در چند کرتا ہے پس جو شخص ماہِ رجب میں ایک دن روزہ رکھ لے اس نے گویا ایک سال روزہ رکھا' اور جو اس مہینہ میں سات دن روزہ رکھ لے اس سے جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں' اور جو آٹھ دن روزہ رکھ لے

ہونا متحقق نہیں ہے۔ یا ان چیزوں نے خاص اہمیت اختیار کر لی ہے۔ حالانکہ کتاب و سنت سے وہ کسی اہمیت کی حامل نہیں ہیں اور دورِ خیر القرون میں اس پر عمل یا اہتمام کا سراغ نہیں ملتا۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ خالص کتاب و سنت کو اپنا اساسِ عمل قرار دینے کے باوجود جب ان امور کی بابت کوئی تحقیقی بات سامنے آتی ہے تو بہت سے اخوانِ جماعت کو الجھن ہوتی ہے اور وہ جذباتی انداز میں اس مسئلہ میں الجھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ہمارے بعض خواص تک اس رواج پر تنقید و تحقیق کو ناپسند کرتے ہیں اور اس پر سکوت و اغماض کی نصیحت فرماتے ہیں اور غیر ثابت شدہ روایات یا دور از کار تاویلات سے اس کی اباحت یا اس کی اہمیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں کی اکثریت بدعات و خرافات میں منہ در منہ ڈوبی ہوئی ہے اور رسم و رواج کو دینی کام سمجھنے کی ذہنیت عام ہو چکی ہے، ہمیں دین کے معاملہ میں تحقیق و احتیاط کی روش اختیار کرنی چاہیئے ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو زیارتِ قبور سے منع فرما دیا تھا حالانکہ زیارتِ قبور دل کی اصلاح اور آخرت کی طرف میلان کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رغبت دلائی اور اس کا حکم دیا حتیٰ کہ

اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جو دس دن روزہ رکھ لے اللہ تعالیٰ اُس کی ہر مانگ پوری کر دے گا، اور جو اس مہینہ کے پندرہ دن روزہ رکھ لے تو اس کے لئے آسمان سے ایک مُنادی آواز دیتا ہے کہ تیری گذری ہوئی ساری خطائیں معاف کر دی گئیں، اب تو اپنے اعمال کے نئے کھلتے پر نظر کر، اور جو شخص اس مہینہ میں پندرہ دن سے بھی زیادہ روزہ رکھے گا اُسے اسی حساب

بعض علماء نے زیارت قبور کو واجب قرار دیا ہے لیکن آپ نے ابتدائے اسلام میں اس مستحسن اور بقول بعض واجب کام سے صرف اس اندیشہ کی بنا پر منع فرمایا کہ لوگ ابھی بُت پرستی سے نئے نئے نکل کر اسلام میں آئے ہیں، بتوں اور قبروں سے عقیدت کا اثر ذہنوں سے شاید پوری طرح محو نہ ہوا ہو اور کہیں پرانی عادت سے مغلوب ہو کر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جو توحید کے منافی ہو۔ لیکن جب اہل ایمان توحید میں پختہ ہو گئے اور آپ کو ان کے عقیدہ کی پختگی پر اعتماد ہو گیا تو آپ نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ اس کی رغبت دلائی اور اس کا حکم دیا۔ (مرعاۃ، ج ۲، ص ۵۳۲)

گویا مسلمانوں کا شعور دینی اگر ناپختہ ہو اور عام ذہن ناقابل اعتماد ہو تو دینی امور میں بڑی محتاط روش اختیار کرنی چاہیئے حتیٰ کہ ضرورت داعی ہو تو مباحات بلکہ مستحبات تک کو چھوڑ دینے میں تامل نہ کرنا چاہیئے، چہ جائیکہ مباحات تک کو اہمیت دی جائے۔

محرم ہو یا رمضان، شب قدر ہو یا شب براءت یا دوسرے بہت سے امور، ان سے بدعات و خرافات اور رسم و رواج کا ایک طولانی سلسلہ جوڑ دیا گیا ہے۔ اگر ہم نے بھی ان امور میں خالص کتاب و سنت کو اپنانے کے بجائے ضعیف و موضوع روایات یا دور از کار تاویلات کا

سے مزید صلہ ملے گا۔ اسی ماہِ رجب میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو کشتی پر سوار کیا تھا اور نوح نے مع جملہ سواران کشتی نے اس دن روزہ رکھا تھا، وہ کشتی سات مہینہ تک بہتی رہی، ساتویں مہینہ (محرم) میں عاشوراء کے دن جُودی پہاڑ پر رُک گئی اور سب نیچے اُتر آئے، اور بطور شکر

سہارا لیا تو ہماری اس روش سے ایک تو بدعات کو ڈوبتے کا تنکا مل جائیگا۔ ثانیاً ان امور میں دین خالص کو اُجاگر کرنے کی سعادت سے ہم محروم رہیں گے۔ لہٰذا اخوان اہلِ حدیث سے خاص طور پر میری گذارش ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں متحقق وثابت شدہ امور تک اپنے عمل کو محدود رکھیں اور جو چیز کتاب وسنت کی رو سے جس درجہ اور جس اہمیت کی حامل ہو اُسے وہی درجہ اور وہی اہمیت دیں اور حق بات واضح ہونے پر بلا چون وچرا اسے تسلیم کرلیں اور اس سے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ وَالْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ۔

ہمیں بعض مقامات کی بابت معلوم ہوا ہے کہ وہاں اہلِ حدیثوں میں بھی عاشوراء کے دن اہل وعیال پر کشادگی کرنے کو خاص اہمیت دی جاتی ہے اور اس اہتمام کی داعی یہی حدیث ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ فرمان منسوب ہے کہ "جس نے اپنے اہل پر عاشوراء کے دن کشادگی کی، اللہ تعالیٰ اس پر سال بھر کشادگی کرے گا۔"

فضائلِ عاشوراء سے متعلق روایات کے ذکر میں یہ حدیث بھی آگئی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس حدیث پر محدثین وائمہ دین کی جو تحقیقات میرے علم میں ہیں اسے ذرا تفصیل سے ذکر کردوں، شاید ناظرین متوجہ ہوں اور اس عمل کی حیثیت ان کے علم میں آسکے۔ افسوس ہے کہ دین کے کتنے اہم امور ہیں جنہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اور بعض غیر اہم امور نے خواہ مخواہ اہمیت اختیار کررکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور دین خالص پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اہلِ نوح علیہ السلام و جملہ مومنین اور کشتی پر سوار تمام چرند و پرند نے اس دن روزہ رکھا، یہی یوم عاشوراء ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑا، اور آدم کی توبہ قبول کی، اور اسی مبارک دن میں قومِ یونس کی بھی توبہ قبول ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام بھی اسی مبارک دن میں پیدا ہوئے۔

حافظ ہیثمی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث کو "طبرانی" نے "المعجم الکبیر" میں روایت کیا ہے، اس کا ایک راوی عبدالغفور ہے جو متروک ہے۔ (ج ۳، ص ۱۸۸)

ہمیں اس طویل حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کرنا تھا جو یومِ عاشوراء سے متعلق ہے، مگر ہم نے قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے پوری حدیث ذکر کر دی ہے تاکہ اسی ضمن میں انھیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اسلام کے نادان دوستوں اور دانا دشمنوں کی تگ و تاز کچھ یومِ عاشوراء و محرم ہی تک محدود ہو کر نہیں رہ گئی ہے، بلکہ ان ظالموں نے دوسرے مہینوں کو بھی اپنی سخن سازیوں کا نشانہ بنا لیا ہے اور ماہ و روز ہی پر کچھ موقوف نہیں، شریعت کا وہ کون سا گوشہ ہے جو ان کی تگ و تاز سے محفوظ رہا ہو اور وہ کون موضوع ہے جس پر ان حضرات نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔

کاش ہمارا دفترِ حدیث ان ظالموں کی طبع آزمائیوں سے محفوظ رہ سکا ہوتا تو شاید اس امت کو افتراقِ امت کا یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا اور یہ خیرِ اُمم بدعات "ظلمات بعضها فوق بعض" میں اس قدر سرتا پا غرق نہ ہوئی ہوتی۔

اللہ جزائے خیر دے ہمارے ان بزرگوں کو جنہوں نے شب و روز کی محنت شاقہ برداشت کر کے ایک ایک راوی کا کھوج لگایا اور ہر ایک کی حیثیت واضح کی، سچ کو جھوٹ سے اور صحیح کو سقیم سے ممتاز کیا اور ایک ایسا مستقل فن اسماء الرجال ایجاد کیا جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔

اس زیرِ نظر حدیث کی بابت آپ نے حافظ ہیثمی کا ریمارک پڑھا کہ اس کا ایک راوی عبدالغفور ہے جو متروک ہے اور متروک راوی کی روایت مردود روایات کے خانے میں آتی ہے، یہ روایت ہرگز اس لائق نہیں کہ اسے قبول کیا جائے۔

سیوطی نے "اللآلی المصنوعۃ" (ص ۲۷۳) میں اسی روایت کو کچھ فرق کے ساتھ "شعب الایمان للبیہقی" اور "ابن عساکر"، "تفسیر ابن جریر" کے حوالے سے الگ الگ سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، مگر ان میں سے کوئی بھی سند مجہول و متروک راویوں سے محفوظ نہیں ہے حتیٰ کہ بعض وضاع و کذاب رُواۃ بھی اس میں آگئے ہیں، اور ایسے راویوں کی روایت نہ خود مقبول ہوتی ہے نہ کسی روایت کو مقبول بنا سکتی ہے۔

میں اس جگہ یہ بات واضح کر دینی چاہتا ہوں کہ کسی ضعیف روایت سے دوسری ضعیف روایت کو یا کسی ضعیف روایت کو متعدد طرق سے آجانے کے سبب قوت ملنے کی جو بات مشہور ہے وہ علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ حدود و قیود ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کے یہ الفاظ پڑھیے، فرماتے ہیں:

"ليس كل ضعف في الحديث يزول بمجيئه من وجوه بل ذلك يتفاوت، فمنه ما يزيله ذلك بان يكون ضعفه ناشئا من ضعف حفظ راويه، ولم يختل فيه ضبطه له، و كذلك اذا كان ضعفه من حيث الارسال زال بنحو ذلك كما في المرسل الذي يرسله امام حافظ، اذ فيه ضعف قليل يزول بروايته من وجه اخر، ومن ذلك ضعف لا يزول بنحو ذلك لقوة الضعف وتقاعد هذا الجابر عن جبره ومقاومته وذلك كالضعف الذي ينشأ من كون الراوي متهما بالكذب او كون الحديث شاذا، وهذه جملة تفاصيلها تدرك بالمباشرة والبحث، فاعلم ذلك فانه من النفائس العزيزة۔"

(مقدمہ علوم الحديث لابن الصلاح، ص ۳۰، ۳۱، طبع حلب ۱۹۶۶ء)

بنا بریں سیوطی کے ذکر کردہ ان واہی سندوں سے اس موضوع یا علی سبیل التنزل اُس ضعیف ترین روایت کو کیا قوت مل سکتی ہے اور وہ اسے کیا سہارا دے سکتی ہے۔

عاشوراء کے دن کوہ جودی پر کشتیٔ نوح کے ٹھہرنے اور نوح علیہ السلام کے اس دن روزہ رکھنے کا ذکر مسند احمد (ج ۲، ص ۳۵۹) میں بھی ہے مگر یہ حدیث بھی صحیح نہیں۔ اس حدیث کے ایک راوی عبدالصمد کو امام احمد نے ضعیف کہا ہے اور عبدالصمد نے اس حدیث کو اپنے باپ حبیب بن عبداللہ الازدی سے روایت کیا ہے اور اس کو ابوحاتم نے مجہول کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

⑤ ابن الجوزی نے موضوع روایات کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے جس کو جویبر نے ضحاک سے اور ضحاک نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "جس نے عاشوراء کے دن اثمد کا سرمہ لگایا زندگی بھر آشوبِ چشم کی شکایت نہ ہوگی"۔ (ج ۲، ص ۲۰۴)

اس حدیث کا راوی "جویبر" سخت مجروح ہے۔ حاتم نے اس سے اظہارِ برارت کیا ہے، امام احمد نے فرمایا: جویبر کی مرفوع روایات منکر ہیں۔ نیز امام احمد و جوزجانی نے فرمایا: اس شخص کی مرویات میں مشغول ہی نہ ہونا چاہیئے۔ نسائی، علی بن جنید اور دارقطنی نے اسے متروک کہا ہے۔ علی بن مدینی نے اسے بہت ہی ضعیف کہا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ شخص ضحاک سے بہت سی منکر روایتیں نقل کرتا ہے یعقوب بن اسحاق نے اسے ان لوگوں میں ذکر کیا ہے جن کی روایتوں سے اعراض کیا جاتا ہے۔ یحییٰ القطان نے فرمایا: ضحاک، جویبر اور محمد بن السائب سے حدیثیں ہی نہ لینی چاہیئں۔ (موضوعات، میزان، تہذیب، کتاب الضعفاء والمترکین للنسائی)

نیز "جویبر" کے شیخ "ضحاک" بھی متکلم فیہ ہیں۔ بعض ائمہ نے اگرچہ ان کی توثیق کی ہے مگر یحییٰ القطان نے فرمایا، ضحاک ہمارے نزدیک ضعیف ہیں۔ نیز فرمایا کہ شعبہ ضحاک سے حدیث نہیں لیتے تھے اور وہ اس بات سے انکار کرتے تھے کہ ضحاک نے ابن عباس سے کبھی ملاقات کی ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں، وہ شخص وہم میں مبتلا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ضحاک نے ابن عباس سے ملاقات کی ہے۔ ضحاک کی ملاقات

کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ ضحاک کی وہ تمام مرویات محل نظر ہیں جو ابن عباس و ابو ہریرہ وغیرہ سے ہیں۔ (میزان تہذیب)
اس روایت کو سیوطی نے بھی "اللآلی المصنوعۃ" میں حاکم کے اظہار برارت کے ساتھ نقل کیا ہے پھر اس روایت کے بارے میں بیہقی کی تخریج وتضعیف ذکر کی ہے اور ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ضحاک کی ملاقات ابن عباس سے ثابت نہیں ہے۔ (ص ۳۶۸)

گویا اس روایت میں انقطاع بھی ہے۔ ضحاک و ابن عباس کے مابین کوئی راوی ساقط ہے جس کا پتہ نہیں کہ وہ کون ہے اور کیسا ہے۔

سیوطی نے اس کے بعد یہی حدیث تاریخ لابن النجار کے حوالہ سے بروایت ابی ہریرہ مرفوعاً ذکر کی ہے کہ "جس نے یوم عاشوراء کو اثمد کا سرمہ لگایا جس میں کہ مشک بھی ہو تو وہ آشوب چشم سے عافیت دیا جائیگا"۔ پھر اس حدیث کے ایک راوی اسمٰعیل بن معمر کی بابت لکھتے ہیں "اسمعیل بن معمر قال فی المیزان لیس بثقۃ" یعنی اسمٰعیل بن معمر ثقہ نہیں ہے اور یہ لفظ "لیس بثقۃ" مراتب الفاظ جرح میں سے مرتبۂ ثانیہ کا لفظ ہے، اور مرتبۂ اولیٰ و ثانیہ و ثالثہ کے الفاظ جرح سے جس راوی پر جرح کی گئی ہو۔ اس کی بابت محدثین کا اصول ہے کہ "لَا یُحتَجُّ بِحَدِیْثِہٖ وَ لَا یُسْتَشْهَدُ بِهٖ وَلَا یُعْتَبَرُ بِهٖ"۔ (شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ص ۲؍ طبع مصر ۱۹۳۵ء)

نیز اس حدیث کے ایک راوی محمد بن عمرو بن علقمہ ہیں جن کی اگرچہ بعض ائمہ نے توثیق کی ہے مگر جوزجانی نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے، یحییٰ القطان نے فرمایا آدمی نیک ہیں مگر حدیث کو کچھ زیادہ یاد رکھنے

والے نہیں ہیں یحییٰ بن معین نے فرمایا: محدثین ان کی حدیثیں لینے سے ہمیشہ گریز کرتے تھے۔ ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا ہے مگر فرمایا کہ یہ خطا بھی کر جاتے ہیں۔ ابن سعد نے کہا یہ کثیر الحدیث ہیں مگر ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔ (میزان و تہذیب)

قصۂ کوتاہ عاشوراء کے دن سرمہ لگانا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ توسیع لنفقۃ علی العیال والی حدیث پر کلام کے ضمن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تصریح "منہاج السنۃ" (ج ۲ ص ۲۴۸، ج ۴ ص ۱۱) کے حوالہ سے اوپر گذری کہ یوم عاشوراء کو سرمہ لگانا منجملہ ان بدعات کے ہے جسے دشمنانِ حسین ناصبیوں نے شیعوں کے حزن و ماتم کے مقابل ایجاد کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز یہ عمل ثابت نہیں ہے اور حاکم کا یہ قول ابن الجوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے: "والاکتحال یوم عاشوراء لم یرو عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ اثر وھو بدعۃ ابتدعھا قتلۃ الحسین علیہ السلام"۔ یوم عاشوراء کو سرمہ لگانا کسی بھی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، یہ ایک بدعت ہے جسے قاتلانِ حسین نے ایجاد کر لیا ہے۔ (ج ۲، ص ۲۰۴)

(۶) اور ابن الجوزی نے موسیٰ (بن عبد اللہ) الطویل عن انس کے طریق سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے شروع محرم سے نو دن تک روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہوا میں ایک میل کا لمبا چوڑا قبہ بنائے گا جس میں چار دروازے ہوں گے۔"

ابن الجوزی فرماتے ہیں: "یہ حدیث موضوع ہے۔" ابن حبان نے کہا

کہ موسیٰ الطویل یروی عن انس أشیاء موضوعۃ لا تحل کتبھا الا علیٰ التعجب "موسیٰ الطویل حضرت انس کی نسبت سے بہت ساری موضوعات بیان کرتا ہے جن کا نقل کرنا بھی درست نہیں ہے مگر یہ کہ بر سبیل تعجب نقل کیا جائے۔ (الموضوعات، ج ۲ ص ۱۹۹)

ابن عدی اور ابو نعیم سے بھی اس شخص کے بارے میں اسی سے ملتی جلتی جرح منقول ہے۔ (لسان) ذہبی اس کی ایک روایت کہ "میں نے حضرت عائشہؓ کو بصرہ میں خاکستری اونٹ پر ہرے ہودج میں بیٹھی ہوئی دیکھا ہے" نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

انظر الیٰ ھٰذا الحیوان المتھم کیف یقول فی حدود سنۃ مائتین انہ رای عائشۃ فمن الذی یصدقہ "ذرا اس حیوانِ متہم کو تو دیکھو سن دو سو کے حدود میں کیسے یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے حضرت عائشہ کو دیکھا ہے، بھلا کون اس کی تصدیق کرے گا۔ (میزان)

(۷) اور ابن الجوزی نے احمد بن عبد اللہ الھروی عن وھب بن وھب عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس کے طریق سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے ذی الحجہ کے آخری دن اور محرم کے پہلے دن روزہ رکھا اس نے گذرنے والے سال کو روزہ کی حالت میں ختم کیا اور آنے والے سال کا روزہ سے افتتاح کیا، اس بنا پر اللہ تعالیٰ ان دونوں روزوں کو اس کے لئے پچاس سال کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا"

یہ حدیث بھی موضوع ہے، ابن الجوزی فرماتے ہیں:

الهروی هو الجویباری و وهب کلاهما کذابٌ وضاعٌ (ج ۲ ص ۱۹۹)
اس حدیث کے راوی احمد الہروی اور وہب دونوں کذاب و وضاع ہیں۔
اور احمد الہروی کے بارے میں ذہبی لکھتے ہیں:

احمد بن عبد اللہ بن خالد الجویباری ویقال الجوباری وجوبار من عمل هراة، قال ابن عدی کان یضع الحدیث لابن کرام علی ما یریده، وقال ابن حبان هو ابو علی الجویباری دجال من الدجاجلة روی عن الائمة الوف حدیث ما حدثوا بشئ منها، وقال النسائی والدارقطنی کذابٌ، قلت الجوباری ممن یضرب المثل بکذبه، قال البیهقی اما الجویباری فانی اعرفه حق المعرفة بوضع الاحادیث علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فقد وضع علیه اکثر من الف حدیث، وسمعت الحاکم یقول هذا کذابٌ خبیثٌ وضع کثیرا فی فضائل الاعمال لاتحل روایة حدیثه بوجه

یعنی یہ شخص بہت بڑا جھوٹا اور نہایت ہی دجال و خبیث تھا۔ اس نے ہزاروں حدیثیں گھڑ ڈالی ہیں۔ (میزان)

اسی کی گھڑی ہوئی وہ حدیث بھی ہے کہ "میری امت میں ایک آدمی پیدا ہوگا جسے ابوحنیفہ کہا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسی کے ہاتھ پر میری سنت کی تجدید کرے گا"۔ یہ شخص حدیثیں گھڑنے میں اتنا تیز تھا کہ اس کی موجودگی میں جہاں کوئی بحث چلی فوراً کوئی حدیث اس سلسلہ میں گھڑ کر بیان کر دیتا۔ ایک بار کچھ لوگ ابوہریرہ سے حسن بصری کے سماع کی

بابت بحث کر رہے تھے، اس نے سنا تو ایک سلسلۂ سند کے ساتھ فوراً یہ حدیث گھڑ دی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسن بصری کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت ہے"۔ (میزان) یہ حدیثیں گھڑنے والے کتنے بیباک و بے حیا ہوتے تھے کہ ایسی ظاہر البطلان حدیثیں گھڑتے ہوئے بھی انھیں شرم نہ آتی تھی۔ زمانۂ نبوی میں جب کہ حسن بصری کا وجود ہی نہ تھا آنحضورؐ یہ کیوں فرمائیں گے کہ حسن بصری کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت ہے۔

اس کا شیخ وہب بن وہب اس سے بھی بڑھ کر وضاع و کذاب تھا۔ امام احمد نے فرمایا "هو اکذب الناس"۔ شعیب بن اسحاق نے فرمایا "کذاب هذه الامة ابو البختری"۔ ابو البختری وہب بن وہب کی کنیت ہے۔ ابن الجارود نے فرمایا "کذاب خبیث کان عامة اللیل یضع الحدیث"۔ عقیلی نے کہا "لا اعلم له حدیثاً مستقیماً، کلها بواطیل"۔ ابن معین نے فرمایا "کان یکذب عدو الله"۔ عثمان بن ابی شیبہ نے فرمایا "اری انه یبعث یوم القیٰمة دجالاً"۔ (لسان)

⑧ شیخ محمد ناصر الدین البانی (حفظہ اللہ) نے "سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ "جس نے یوم عرفہ کو روزہ رکھا تو وہ روزہ اس کے لئے دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا اور جس نے ماہِ محرم میں کسی دن روزہ رکھا تو ہر دن کے روزہ کا ثواب تیس دن کے روزوں کے ثواب کے برابر ہوگا"۔

پھر فرمایا: یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کو طبرانی نے المعجم الصغیر میں، میں ھیثم بن حبیب، عن سلام الطویل عن حمزۃ الزیات عن لیث بن ابی سلیم عن مجاھد عن ابن عباس کی اسند سے مرفوعاً ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ ہیثم بن حبیب اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہے۔

شیخ البانی نے اس میں تین علتیں ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی سند میں ہیثم بن حبیب ہے، جو ذہبی کے نزدیک ایک خبر باطل (بابت مہدی، میزان) کی وجہ سے متہم ہے، اگرچہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ثانیاً سلام الطویل ہے جو متہم ہے۔ ثالثاً لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے۔

مگر تعجب ہے منذری پر کہ اتنی علتوں کے باوجود وہ فرماتے ہیں:

"رواہ الطبرانی فی الصغیر، وھو غریب واسنادہ لاباس بہ"

شیخ فرماتے ہیں: "وھذا ذھول عجیب، والا فکیف یسلم من البأس اذا کان فیہ ذاك المتھم الطویل، قال فیہ ابن خراش کذاب، وقال ابن حبان یروی عن الثقات الموضوعات کانہ کان المتعمد لھا، وقال الحاکم روی احادیث موضوعۃ"

شیخ البانی فرماتے ہیں: البتہ اس حدیث کا شطر اول (یعنی پہلا ٹکڑا جو یوم عرفہ سے متعلق ہے) وہ صحیح ہے اس لئے کہ اس کے لئے بہت سے شواہد ہیں مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ "یوم عرفہ کا روزہ ایک سال بعد کے اور ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے"۔

اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں شطر ثانی کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: "من صام یوماً من المحرم فله بكل یوم ثلاثون حسنة"
جس نے ماہِ محرم میں کسی دن روزہ رکھا اسے ہر دن کے عوض تیس نیکیاں ملیں گی۔

شیخ فرماتے ہیں یہ حدیث بھی موضوع ہے۔ اس کی سند میں بھی وہی سب رُواۃ ہیں جو اُس پہلی حدیث کی سند میں ہیں۔ نیز ان دونوں حدیثوں میں ایک سند سے مروی ہونے کے باوجود یہ اختلاف ہے کہ اس روایت میں "ثلاثون حسنة" ہے اور اُس سابقہ روایت میں "ثلاثون یوماً" ہے۔ یہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی چوتھی علّت ہے۔ (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة، المجلد الاوّل، الجزء الخامس، رقم الحدیث ۴۱۲، ۴۱۳)

⑨ ابن الجوزی نے موضوع روایات کے تحت تین سندوں سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ عبداللہ بن معاویہ الجمحی نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے اور ان سے ان کے باپ نے اور ان سے ان کے دادا نے اور ان سے ابو امیہ عنبسہ بن امیہ بن خلف الجمحی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں ایک لٹورا دیکھا تو فرمایا یہ پہلا پرندہ ہے جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا۔

اس حدیث کی تینوں سندیں عبداللہ بن معاویہ الجمحی پر مل جاتی ہیں، مگر پہلی سند میں آخری راوی کا نام ابو امیہ عنبسہ بن امیہ بن خلف الجمحی ہے اور دوسری و تیسری سند میں ابو علیط و ابو غلیظ (بمہملتین و معجمتین) بن امیہ بن خلف الجمحی ہے۔

تینوں سندوں سے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابن الجوزی فرماتے ہیں:

۱۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔
۲۔ عنبسہ و ابو فلیظ و ابو علیط کا زمرۂ صحابہ میں ہونا غیر معروف ہے۔
۳۔ عبداللہ بن معاویہ کو (جن پر تینوں سندوں کا مدار ہے) امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے' اور عقیلی نے کہا ہے یہ شخص بے بنیاد و منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔
۴۔ یہ حدیث اس بنا پر بھی قابلِ رد ہے کہ پرندہ تو روزہ رکھتا نہیں۔ (موضوعات ج ۲، ص ۲۰۴)

اس میں شک نہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ذہبی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور اس سند کے دو راوی عبداللہ بن معاویہ کے باپ و دادا کو مجہول قرار دیا ہے۔ (میزان ترجمہ معاویہ بن موسیٰ)

اور تبصرہ کی شق ۴ بھی میرے نزدیک درست ہے کیونکہ پرندہ کا روزہ رکھنا بالکل ہی ناقابلِ فہم ہے اور ایسی ناقابلِ فہم بات بلا کسی صحیح روایت کے ہر گز قبول نہیں کی جاسکتی۔

مگر تبصرہ کی شق ۲ و ۳ میرے نزدیک محلِ نظر ہے۔ عنبسہ کو حافظ نے اصابہ کی قسم اول میں ذکر کیا ہے۔ پھر اصابہ کے باب الکنی حرف الغین القسم الاول میں ابو فلیظ کے تحت ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور ابو غلیظ عنبسہ کی کنیت بتائی ہے' اور تاریخ خطیب کے حوالے سے (جہاں سے کہ ابن الجوزی نے یہ روایت لی ہے) اسی روایت کو انھیں تینوں سندوں

سے نقل کیا ہے۔ اور ابنِ قانع نے بھی "معجم الصحابہ" میں اس روایت کی تخریج کی ہے اور ابو غلیظ کو زمرۂ صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ البتہ ان کے نام و کنیت میں بہت اختلاف ہے۔

اور عبداللہ بن معاویہ پر ابن الجوزی نے جو تبصرہ کیا ہے میری تحقیق میں اس کی صحت محلِ نظر ہے۔ اس لئے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس سند کے راوی عبداللہ بن معاویہ الجمحی البصری ہیں جو اولادِ ابو غلیظ میں سے ہیں، اور عبداللہ بن معاویہ الجمحی البصری کے بارے میں بخاری اور عقیلی کی مذکورہ جرح مجھے کہیں نہ مل سکی، البتہ عبداللہ بن معاویہ الزبیری البصری (من ولد الزبیر بن العوام) کے بارے میں بخاری و عقیلی کی وہ جرح ملتی ہے جو ابن الجوزی نے عبداللہ بن معاویہ الجمحی البصری کے بارے میں ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو امام بخاری کی "التاریخ الکبیر" ص ۲۹ القسم الاوّل، الجزء الثالث، و "التاریخ الصغیر" ص ۲۲۲، و "کتاب الضعفاء الصغیر" ص ۲۱، اور ابن حجر کی "لسان المیزان" ص ۳۶۳، ج ۳۔

سیوطی نے "اللآلی المصنوعۃ" میں عبداللہ بن معاویہ الجمحی کی نکارت جو ذکر کی ہے وہ "موضوعات لابن الجوزی" سے نقل کی ہے اور علامہ محمد طاہر فتنی نے بھی غالبًا ابن الجوزی ہی کی تقلید کرتے ہوئے "قانون الموضوعات والضعفاء" ص ۲۷۴، میں "عبداللہ بن معاویہ الجمحی منکر الحدیث" لکھ دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سیوطی نے "اللآلی المصنوعۃ" میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے اس زیرِ بحث حدیث کی ایک شاہد ذکر کی ہے کہ ابو ہریرہ نے فرمایا:

لٹورا پہلا پرندہ ہے جس نے روزہ رکھا۔ (ص ۳۴۸) مگر اس کی حالت نہایت ہی سقیم ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی سفیان بن وکیع ہیں جو اگرچہ بڑے باپ کے بیٹے ہیں مگر نہایت مجروح ہیں اور انکی مرویات بالکل ہی ناقابلِ استناد ہیں۔ میزان و تہذیب کی یہ عبارتیں پڑھئے:

سفیان بن وکیع بن الجراح قال ابوزرعة یتّھم بالکذب وقال ابن ابی حاتم اشار ابی علیه ان یغیر ورّاقه فانه افسد حدیثه وقال له لا تحدث الا من اصولك فقال سافعل، ثم تمادی وحدث بلحادیث ادخلت علیه۔ یقال کان ورّاقه یلقنه من حدیث موقوف فیرفعه، اومرسل یوصله اویبدل رجلاً برجل۔ (میزان) وقال ابن ابی حاتم سألتُ ابازرعة عنه فقال لا یشتغل به، وقال النسائی لیس بثقة وقال فی موضع اٰخر لیس بشیٔ۔ وقال الأجری امتنع ابوداوٗد من التحدیث عنه۔ (تھذیب) یعنی ابوزرعہ نے انھیں متہم بالکذب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی مرویات نہ لینی چاہئیں۔ نسائی نے انھیں غیر ثقہ اور لیس بشیٔ کہا ہے، ان کا ایک خائن وراق تھا جو ان کی مرویات میں بڑا گھپلا کیا کرتا تھا، غلط سلط حدیثیں ان کی مرویات میں داخل کر دیتا، ان کی موقوف روایات کو مرفوع اور مرسل کو موصول کر دیتا، اور ان کی سندوں میں راویوں کو ادل بدل دیتا تھا۔ بعض محدثین نے سفیان کو اس خیانت سے آگاہ بھی کیا مگر وہ نہ تو ان مرویات سے باز آئے، نہ اس وراق کو الگ کیا۔

ایسی صورت میں ان کی مرویات کیونکر قابلِ اعتبار و لائق استناد ہوسکتی ہیں اور ایسی ساقط الاعتبار روایتوں سے کسی روایت کو کیا قوت مل سکتی ہے۔ اوپر مقدمہ ابن الصلاح کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ اس درجہ سقیم روایتیں کسی روایت کی تقویت کا سبب نہیں بن سکتیں۔

(۱۰) ابن الجوزی نے موضوعات میں یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے عاشوراء کے دن ظہر و عصر کے مابین چالیس رکعت نماز پڑھی، ہر رکعت میں اس نے ایک بار سورۂ فاتحہ اور دس مرتبہ آیۃ الکرسی اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد اور پانچ مرتبہ معوذتین پڑھا اور جب سلام پھیرا تو ستر مرتبہ استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت الفردوس میں ایک سفید قبہ دے گا جس میں سبز زمرد کا ایک گھر ہوگا، اس گھر کی وسعت اس دنیا سے تین گنا زیادہ ہوگی اور اس میں نور کا ایک تخت ہوگا جس کے پائے عنبر کے ہونگے اور اس تخت پر دو ہزار زعفرانی فرش بچھے ہونگے۔" وغیرہ وغیرہ۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں: یہ حدیث موضوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان جیسے خرافات سے پاک ہے۔ اس کی سند میں کئی راوی مجہول ہیں اور اس کا ایک راوی حسین متہم ہے۔ (ج ۲، ص ۱۲۲) سیوطی اور فتنی نے بھی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ (اللآلی، ص ۲۲۱ وتذکرۃ الموضوعات، ص ۴۳)

(۱۱) ابن الجوزی نے موضوعات میں یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص عاشوراء کی رات جاگا اس نے گویا

اہلِ سماوات جیسی خدا کی عبادت کی، اور جس نے چار رکعت نماز پڑھ لی ہر رکعت میں ایک بار سورۂ الحمد اور پچاس مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کی پچاس سال گذشتہ اور پچاس سال آئندہ کی خطائیں بخش دے گا اور ملأ اعلیٰ میں اس کے لئے دس لاکھ نور کے منبر بنائے گا۔"

ابن الجوزی فرماتے ہیں: یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ بعض بھولے بھالے متاخرین نے خواہ مخواہ اسے حدیث رسول سمجھ لیا ہے۔ اس کے راوی عبدالرحمٰن بن ابی الزناد مجروح ہیں۔ احمد نے کہا یہ مضطرب الحدیث ہیں، اور یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ان کی مرویات ناقابلِ احتجاج ہیں۔ (ج ۲، ص ۱۲۲)

علامہ محمد طاہر فتنی نے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۴۲)

(۱۲) ترمذی میں عبدالرحمٰن بن اسحاق عن النعمان بن سعد کے طریق سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رمضان کے علاوہ کس مہینہ میں آپ مجھے روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہیں؟ تو فرمایا میں نے ایک آدمی کو یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہوئے سنا ہے، آپ نے جواب دیا تھا کہ "اگر تم ماہِ رمضان کے علاوہ کسی مہینہ میں روزہ رکھنا چاہتے ہو تو محرم میں روزہ رکھو کیونکہ محرم وہ مبارک مہینہ ہے جس میں ایک ایسا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی ہے اور دوسری قوم کی توبہ قبول کرے گا۔" ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، ج ۲، ص ۵۳)

شارح ترمذی کی تصریح کے مطابق منذری نے اس تحسین کو برقرار رکھا ہے مگر اس روایت کی تحسین میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ روایت جتنے طرق سے بھی آئی ہے ان سب کا مدار عبدالرحمٰن بن اسحٰق ہے جس پر کلام آگے آرہا ہے۔ پھر اس راوی کا مدارِ سند ہوتے ہوئے اس روایت کی تحسین کیونکر صحیح ہو سکتی ہے جبکہ اس کے لئے شرط ہے کہ مدارِ سند کوئی ضعیف ناقابلِ احتجاج راوی نہ ہو[1]۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی جلالت علمی کے باوجود روایات کی تصحیح و تحسین میں متساہل قرار دیئے گئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۱۷۱) اور منذری کی تصویب کا حال حدیث ۵ میں روایت طبرانی فی الصغیر کے تحت گذر چکا ہے۔ نیز شیخ البانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ منذری تصحیح و تحسین میں متساہل واقع ہوئے ہیں جیسا کہ ابن حبان اور حاکم ہیں متقدمین میں اور سیوطی وغیرہ ہیں متاخرین میں (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، المجلد الاول، الجزء الثالث ص ۶۸)

مسند احمد میں بھی یہ حدیث اسی مذکور طریق سے آئی ہے، احمد محمد شاکر اس کی تعلیق میں فرماتے ہیں: "اسنادہ ضعیف لضعف عبدالرحمٰن بن اسحٰق"۔ عبدالرحمٰن بن اسحٰق کے ضعف کی وجہ سے اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (مسند احمد مع تعلیق احمد محمد شاکر، ج ۲، ص ۳۳۲ و ۳۲۸)

---

[1] صاحب مرعاۃ فرماتے ہیں: "اگر حدیث کے طرق متعدد ہوں تو وہ حدیث درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ وہ سندیں مختلف ہوں اور مدارِ سند کوئی ضعیف ناقابلِ احتجاج راوی نہ ہو۔ (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۲۴۲۔ ملتقطاً)

عبدالرحمٰن بن اسحٰق کی بابت امام احمد نے فرمایا ہے کہ یہ نعمان بن سعد سے منکر حدیثیں بیان کرتے ہیں یعقوب بن اسحٰق نے انھیں ان لوگوں میں ذکر کیا ہے جن سے روایت لینے سے اعراض کیا جاتا ہے۔ ابن خزیمہ نے فرمایا "لا یحتج بحدیثہ" ابو حاتم نے فرمایا "ضعیف الحدیث، منکر الحدیث یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ"۔ امام احمد نے فرمایا "لیس بشئ، منکر الحدیث"۔ امام بخاری نے فرمایا "فیہ نظر"۔ (تہذیب التہذیب)

اور امام بخاری رحمہ اللہ جس کے بارے میں "فیہ نظر" فرمائیں وہ سخت مجروح راوی ہوتا ہے اور اس کی حدیث متروک ہوتی ہے۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" میں فرماتے ہیں:

قول البخاری فی حق احد من الرواۃ "فیہ نظر" یدل علی انہ متھم عندہ وقال (البخاری) اذا قلتُ "فلان فی حدیثہ نظر" فھو متھم واہٍ وقال العراقی فی شرح الفیتہ "فلانٌ فیہ نظر" و "فلانٌ سکتوا عنہ" ھاتان العبارتان یقولھما البخاری فیمن ترکوا حدیثہ۔ (ص ۱۴۲، مطبوعہ حلب ۱۳۸۸ھ) قال ابن کثیر ان البخاری اذا قال فی الرجل "سکتوا عنہ" او "فیہ نظر" فانہ یکون فی ادنی المنازل واردئھا عندہ ولکنہ لطیف العبارۃ فی التجریح فلیعلم ذلک۔ (اختصار علوم الحدیث مع شرحہ الباعث الحثیث، ص ۱۰۶)

عراقی نے امام بخاری کے قول "فیہ نظر" کو مراتب الفاظِ جرح سے مرتبۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے اور ائمہ جرح و تعدیل (باستثناء ابن معین)

کے قول "لیس بشی" کو مرتبۂ ثالثہ میں، اور اوپر گذر چکا کہ مرتبۂ اولیٰ و ثانیہ وثالثہ کے الفاظِ جرح سے جس راوی پر جرح کی گئی ہو اس کی بابت عراقی فرماتے ہیں "لا یحتج بحدیثہ ولا یستشھد بہ ولا یعتبر بہ۔ (شرح الفیہ للعراقی، ص ۴۲)

ایک عجیب تسامح

اس زیرِ بحث حدیث کی تعلیق میں علامہ احمد محمد شاکر سے ایک عجیب تسامح ہوا ہے:

ترمذی نے اس حدیث کے بعد "ماجاء فی صوم یوم الجمعۃ" کا باب منعقد کیا ہے اور اس کے تحت عبداللہ بن مسعود کی ایک حدیث نقل کی ہے اور اس حدیث کی بابت فرمایا ہے "حدیث عبد اللہ حدیث حسن غریب"۔ اس پر شارح ترمذی محدث مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قولہ "حدیث عبد اللہ حدیث حسن" واخرجہ النسائی وصححہ ابن حبان وابن عبد البر وابن حزم کذا فی عمدۃ القاری۔ (تحفۃ الاحوذی، ج۲، ص ۵۴)

علامہ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ نے شارح ترمذی کی اس تعلیق کو جو باب ماجاء فی صوم یوم الجمعہ" کے تحت آئی ہوئی حدیث عبداللہ پر تھی 'باب ماجاء فی صوم المحرم" کے تحت آئی ہوئی حدیث زیرِ بحث پر چسپاں کردی۔ فرماتے ہیں:

والحدیث رواہ الترمذی من طریق عبد الرحمن بن اسحٰق وقال "حدیث حسن غریب" وقال شارحہ وأخرجہ النسائی وصححہ ابن حبان وابن عبد البر وابن حزم

کذا فی عمدۃ القاری۔ (مسند احمد مع تعلیق احمد محمد شاکر، ج۲، ص ۳۲۳)

میں نے اس جگہ علامہ احمد محمد شاکر کا یہ تسامح اس لئے ذکر کر دیا ہے کہ کوئی صاحب ان کی یہ تعلیق دیکھ کر اس زیرِ بحث حدیث کی بابت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ ابنِ حبان، ابنِ عبدالبر اور ابنِ حزم نے تو اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۱۴) حافظ ہیثمی نے زید بن ثابت کی یہ روایت نقل کی ہے انہوں نے فرمایا یوم عاشوراء وہ دن نہیں ہے جسے لوگ یوم عاشوراء کہتے ہیں۔ یوم عاشوراء تو حقیقت میں وہ دن تھا جس دن کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا تھا۔ اس دن حبشی بہت منہ اندھیرے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجاتے تھے، اور یہ دن سال میں گھومتا رہتا تھا (کبھی کسی مہینہ میں پڑ گیا کبھی کسی مہینہ میں) اور لوگ اس دن کو معلوم کرنے کے لئے فلاں یہودی کے پاس آیا کرتے تھے۔ جب اس یہودی کا انتقال ہو گیا تو لوگ زید بن ثابت سے آکر اس دن کے بارے میں پوچھنے لگے۔

حافظ ہیثمی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے۔ محشی لکھتا ہے: الحمد للہ اس حدیث کا مطلب میری سمجھ میں آرہا ہے۔ زید بن ثابت اس بات کے قائل تھے کہ عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ نہیں ہے بلکہ سال میں کسی وقت ایک دفعہ آتا ہے، اور جو لوگ اس کے قائل تھے وہ ایک یہودی سے اس دن کی معلومات حاصل کرتے تھے جسے کتب سابقہ کا علم حاصل تھا وہ حساب

کی رو سے اس دن کو متعین طور پر بتا دیتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگ اس دن کی معلومات حاصل کرنے کے لئے زید بن ثابت کے پاس آنے لگے جنہیں اس حساب کا علم تھا۔ مگر یہ بہت ہی عجیب و غریب بات ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۷)

ابن حجر نے "الآثار القدیمۃ للبیرونی" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ جاہل یہود اپنے روزوں اور عیدوں میں نجوم کے حساب پر اعتماد کرتے تھے اور سال ان کے یہاں شمسی تھا نہ کہ ہلالی، اس بنا پر وہ یہ جاننے کے لئے کہ شمسی مہینہ کے حساب سے یوم عاشوراء کس تاریخ کو پڑے گا اس شخص کے محتاج ہوتے تھے جو حساب جانتا ہو تا کہ اس کی بتائی ہوئی شمسی تاریخ پر اعتماد کر کے عاشوراء کا روزہ رکھیں۔ (فتح الباری باب صیام یوم عاشوراء)

حافظ ہیثمی نے اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کی نشاندہی کی ہے جن پر ابھی ترمذی والی حدیث سے پہلے ابن الجوزی کا تبصرہ گزر چکا ہے۔

یہ تو تھیں وہ موضوع یا ضعیف روایات جو فضائل محرم و یوم عاشوراء سے متعلق کتب حدیث میں ملتی ہیں اور وہ میری معلومات کی حد تک کسی طریق سے بھی درجۂ صحت کو نہیں پہونچتی ہیں۔ رہیں اس سلسلہ کی صحیح روایات تو وہ کچھ اس طرح کی آتی ہیں:

○ حضرت ابو ہریرہؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے سوال کیا گیا، فرض نمازوں کے بعد کون سی نماز افضل ہے اور رمضان کے روزوں کے بعد کون سا روزہ افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: فرض نمازوں کے بعد تہجد کی نماز افضل ہے اور رمضان کے روزوں کے بعد ماہِ محرم کے روزے افضل ہیں۔ (مسلم، باب فضل صوم محرم، و ابوداؤد، باب فی صوم المحرم)

○ ابو قتادہؓ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے جس میں یہ ٹکڑا بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عاشوراء کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یوم عاشوراء کا روزہ ایک سال گذشتہ کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ (مسلم، باب استحباب صیام ثلثة ایام فی کل شهر وصوم یوم عرفة وعاشوراء والاثنین والخمیس، و ابوداؤد، باب فی صوم الدهر)

○ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: قریش زمانۂ جاہلیت میں یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاہلیت میں

---

[1] یوم عاشوراء میں قریش کے روزہ رکھنے کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ غالباً اس دن کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا تھا، جیسا کہ اُوپر گزری ہوئی بیہقی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، اور ابنِ حجر نے اس سلسلہ میں عکرمہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ قریش نے زمانۂ جاہلیت میں ایک گناہ کا ارتکاب کیا تھا جو ان پر بہت گراں گذرا تو ان سے کہا گیا کہ تم لوگ عاشوراء کا روزہ رکھو، یہ تمہارے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ اسی وقت سے قریش عاشوراء کا روزہ رکھنے لگے۔ (فتح الباری، باب صیام یوم عاشوراء)

عاشورار کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ تشریف لائے تو بھی آپ نے عاشورار کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی حکم دیا، مگر جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو آپ نے اس کا اہتمام ترک کر دیا اور فرمایا اب جو چاہے عاشورار کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ (بخاری ومسلم و ابوداؤد، باب صیام یوم عاشورار)

○ ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ عاشورار کے دن یہود روزہ رکھتے ہیں، فرمایا یہ کیا معاملہ ہے، تم لوگ کیوں اس دن روزہ رکھتے ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ ایک اچھا دن ہے، اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات دلائی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرقاب کر دیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے بطورِ شکریہ اس دن روزہ رکھا تھا اور ہم بھی اسی خوشی میں روزہ رکھتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ہم موسیٰ علیہ السلام کے (شریک مسرت ہونے میں) تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس خوشی میں شرکت اور اس پر ادائے شکر کی نیت سے) اس دن کا روزہ رکھنا شروع کیا اور صحابہ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔
(بخاری ومسلم، باب مذکور)

○ ابن عباس ؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم عاشورار کے سوا اور اس ماہ رمضان کے سوا کسی اور دن کو دوسرے دنوں سے افضل جان کر خاص طور سے روزہ رکھتے نہیں دیکھا ہے۔
(بخاری ومسلم، باب مذکور)

○ سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو اسلم کے ایک شخص کو لوگوں میں اس بات کے اعلان کر دینے کا حکم دیا کہ جو کھا چکا ہو تو وہ دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے رُکا رہے اور جس نے نہ کھایا ہو اُسے روزہ رکھ لینا چاہیئے کیونکہ آج عاشوراء کا دن ہے۔ (بخاری و مسلم، باب مذکور)

○ ربیع بنت معوذ نے کہا کہ عاشوراء کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی بستیوں میں کہلا بھیجا کہ صبح جس نے کھا پی لیا ہو وہ دن کا باقی حصہ (روزہ دار کی طرح) پورا کرے، اور جس نے کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ سے رہے۔ ربیع نے کہا کہ پھر بعد میں بھی ہم اس دن روزہ رکھتے اور اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے۔ انھیں ہم روئی کا ایک کھلونا دے کر بہلاتے رہتے، جب کوئی کھانے کے لئے روتا تو وہی دے دیتے یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا۔ (بخاری، باب صوم الصبیان، و مسلم، باب صوم یوم عاشوراء)

○ جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور ہمیں اس پر اُبھارتے اور اس کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے لیکن جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو آپ ہمیں نہ اس کا حکم دیتے تھے نہ اس سے روکتے تھے نہ اس کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ (مسلم، باب مذکور)

○ ابو موسیٰ نے فرمایا، اہل خیبر یوم عاشوراء کا بڑا اہتمام کرتے تھے اس دن وہ لوگ روزہ رکھتے اور اس کو عید کا دن قرار دیتے اور اس

دن اپنی عورتوں کو اچھے اچھے لباس اور زیورات پہناتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا تم تو اس دن بس روزہ رکھو۔ (مسلم، باب مذکور)

○ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا، لوگوں نے ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اس دن کو یہود و نصاریٰ بڑی اہمیت دیتے ہیں (مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہمیں ان کی مخالفت کا حکم دیتے ہیں اور یوم عاشوراء کے معاملہ میں موافقت ہوئی جا رہی ہے۔ مرعاۃ ج ۳، ص ۲۷۲) تو آپ نے فرمایا کہ آئندہ سال اگر اللہ نے چاہا تو ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ انتقال فرما گئے۔ (مسلم، باب مذکور)

ترمذی فرماتے ہیں: ابن عباس سے یہ روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نویں اور دسویں کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو"۔ شارح ترمذی محدث مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں اس پر واقف نہ ہو سکا کہ ابن عباس کے اس قول کی تخریج کس نے کی ہے، البتہ امام احمد نے ابن عباس سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے کہ "یوم عاشوراء کو روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو اور یوم عاشوراء سے پہلے ایک دن روزہ رکھو اور اس کے بعد ایک دن روزہ رکھو"۔ ایسا ہی منتقی میں ہے۔ شوکانی نے فرمایا کہ احمد کی یہ روایت ضعیف و منکر ہے۔ داؤد بن علی عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے، ان سے اس حدیث کو ابن ابی لیلیٰ نے روایت کیا ہے۔

شوکانی فرماتے ہیں اور بیہقی نے اسی کے مثل روایت نقل کی ہے اور تلخیص میں یہ روایت بغیر کسی کلام کے مذکور ہے۔ انتہیٰ۔ شارح ترمذی مزید فرماتے ہیں اور مسلم نے ابن عباس سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو نویں کو روزہ رکھوں گا۔ مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ وہ سال آئندہ آنے سے پہلے ہی آنحضور ؐ کا انتقال ہوگیا۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ آنحضورؐ کا یہ قول "اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو نویں کو روزہ رکھوں گا" دو امر کا متحمل ہے، ایک تو یہ کہ آپ نے اس روزہ کو دسویں کے بجائے نویں تاریخ کو منتقل کر دینے کا ارادہ فرمایا۔ اور دوسرے یہ کہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس روزہ میں نویں کا اضافہ کر دیں۔ اب جب کہ اس کی وضاحت سے پہلے ہی آنحضورؐ کا انتقال ہوگیا تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نویں دسویں دونوں دن روزہ رکھا جائے۔ حافظ کہتے ہیں کہ اس طرح صوم یوم عاشورا تین درجات پر مشتمل ہوا۔ ایک تو یہ ہے کہ صرف دسویں کو روزہ رکھا جائے، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ دسویں کے ساتھ نویں کو بھی روزہ رکھا جائے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ دسویں کے ساتھ نویں اور گیارہویں کو بھی روزہ رکھا جائے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۵۸)

فضائل محرم و یوم عاشورا کی بابت یہ بعض صحیح روایات تھیں جو نقل کی گئی ہیں ان روایات کے علاوہ بھی اس موضوع پر صحیح روایتیں آئی ہیں مگر اس سلسلہ کی تمام صحیح روایتوں کا استقصار نہ مقصود ہے نہ اس کی ضرورت

سمجھتا ہوں، البتہ اجمالی طور پر اس بات کو واضح کر دینی چاہتا ہوں کہ صحیح روایات سے اس مہینہ میں روزہ کے سوا کوئی عمل ثابت نہیں ہے اور اس عمل پر اجر و ثواب کی بھی کوئی بہت طویل فہرست نہیں ہے جیسی کہ اوپر بعض موضوع وضعیف روایات میں گذری۔ صوم یوم عاشوراء پر اجر و ثواب کے سلسلہ میں وہی صحیح روایت آئی ہے جو مسلم و ابو داؤد کے حوالہ سے اوپر گذری کہ اس دن کے روزہ کے بدلے ایک سال گذشتہ کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں اور صوم ماہ محرم کو ماہ رمضان کے روزوں کے بعد افضلیت عطا کی گئی ہے۔

ماہ محرم میں اس عمل کے علاوہ جتنے اعمال وخرافات کئے جاتے ہیں وہ سب بدعات و محدثات ہیں، شریعت سے ان اعمال کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت حسین و یزید

امام ابن تیمیہؒ کا موقف

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو نصیحت فرمائی تھی:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ۔ (المائدہ: ۷۷) "اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان قوموں کے نقش قدم پر نہ چلو جو تم سے پہلے (غلو کا طریقہ اختیار کرکے) خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور صحیح راستے سے بہک گئے۔"

اور حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے اُمت کو نصیحت فرمائی تھی:

ایاکم والغلو فی الدین، فانما أھلك من کان قبلکم الغلو فی الدین۔ (رواہ النسائی وابن ماجۃ واحمد وصححہ ابن خزیمۃ) "دین میں غلو سے اجتناب کرو، کیونکہ غلو فی الدین نے تم سے پہلے گذری ہوئی قوموں کو برباد کردیا۔"

اللہ و رسول کے بیان کے مطابق جس چیز نے گذری ہوئی اُمتوں کو سواء السبیل سے محروم کردیا اور بربادی کا سبب بنی، ہم دیکھتے ہیں

تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہی چیز اُمتِ محمدیہ کی غالب اکثریت کو بھی سواء السبیل سے بھٹکانے کا اہم سبب بن گئی ہے۔ نہ عقائد و عبادات میں امت کی اکثریت کتاب وسنت کے اس جادۂ اعتدال پر قائم نظر آتی ہے جس پر نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو چھوڑا تھا۔ نہ شخصیات کی مدح و قدح اور عقیدت و بغض میں وہ جادۂ اعتدال باقی رہا جس کی رہنمائی آپ نے فرمائی تھی۔

حضرت حسین و یزید ان شخصیات میں سرفہرست آتے ہیں جن کی منقبت و منقصت میں امتِ محمدیہ کی اکثریت بے حد غلو کا شکار رہوئی ہے۔ بہت بڑی خلقِ خدا ہر نئے اسلامی سنہ کی ابتدار اس مہلک جرم کے ارتکاب سے کرتی ہے اور اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتی ہے، اور جب بھی یہ شخصیات ہمارے مقررین و ارباب نگارش کا موضوع بنتی ہیں تو ایک کی منقبت میں دوسری کی منقصت میں عموماً بڑے غلو و مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے۔ واقعۂ کربلا اور حضرت حسین و یزید کے بارے میں غیر صحیح روایات کا اتنا انبار لگا دیا گیا ہے کہ اس کے سبب بہت سے اہلِ علم بھی حقائق کا سراغ لگانے سے قاصر رہ جاتے ہیں اور غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو عبقریت عطا کی تھی اور کتاب وسنت و تاریخ و مِلَل پر جو عبور بخشا تھا اور جس درجہ بیکراں ذکاوت و بصیرت اور ژرف نگاہی انھیں مبدء فیاض سے عطا ہوئی تھی اس کے سبب جس موضوع پر بھی انھوں نے قلم اٹھایا

ان کی تحریر بڑی صائب و متوازن و مدلل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تحقیقات و استدلالات سے بہتوں کو جادۂ حق عطا کر دیا۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے حضرت حسینؓ و یزید کی بابت بھی اپنی متعدد تصانیف و فتاویٰ میں بہت کچھ لکھا ہے اور اپنی عام روش کے مطابق اس موضوع پر بھی بہت ہی انصاف و اعتدال و تحقیق کی روش اختیار کی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے ایک شیعی عالم کی کتاب "منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ" کے جواب میں اپنی گراں قدر تصنیف "منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتدال" تحریر فرمائی جو لوگوں میں "منہاج السنۃ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے جزء ثانی کے بیس صفحات میں (ص ۲۳۷ تا ص ۲۵۶) آپ نے اس موضوع پر طویل بحث کی ہے۔ نیز مجموع فتاویٰ کے اجزاء ۳، ۴، ۲۵، ۲۷ اور اس کے علاوہ بھی بعض اجزاء میں اور بعض دوسری تصنیفات میں بھی اس موضوع پر مختصر و مطول بحثیں موجود ہیں۔ ہم انھیں کتابوں سے سمیٹ کر حضرت حسین و یزید کی بابت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف پیش کر رہے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ دریائے فرات سے قریب کربلا میں شہید کئے گئے اور ان کا جسم کربلا ہی میں دفن کیا گیا اور ان کا سر

عبیداللہ بن زیاد کے پاس کوفہ لے جایا گیا، جیسا کہ امام بخاری وغیرہ ائمۂ کرام نے روایت کی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا شرف عطا کیا اور جس نے اُن کو قتل کیا یا قتل پر اکسایا یا ان کے قتل سے خوش ہوئے اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلت عطا کی۔

حضرت حسینؓ نے بھی اپنے پیش رو شہدائے کرام کا نمونہ پیش کیا اور کیوں نہ ہو وہ اور ان کے بھائی شبابُ اہل الجنۃ کے سردار جو ٹھہرے اور جن کی پرورش اسلامی عز و شرف کے گہوارہ میں ہوئی، ان دونوں کو اپنے مبارک خانوادہ کی طرح ہجرت و جہاد اور راہِ خدا میں تکالیف پر صبر کا شرف نہ ملا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو شہادت کا شرف عطا کیا جو ان دونوں کی کرامت و بلندیٔ درجات کا موجب ہوا۔

حضرت حسینؓ کا قتل ایک عظیم مصیبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مصیبت پر "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" کہنا مشروع کیا ہے، جیسا کہ فرمایا: وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ اُولٰئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۵۵-۱۵۷)

اور صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو مسلمان مصیبت میں مبتلا ہو اور اس پر "انا للہ و انا الیہ راجعون، اللھم اجرنی فی مصیبتی و اخلف لی خیرا منھا" کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عطا کرتا ہے اور اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔

اور خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی مصیبت کچھ وقت گذرنے کے بعد یاد آئے اور جب بھی یاد آئے وہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھ لے تو پھر اُسے اُس مصیبت کا ثواب مل جاتا ہے۔

اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جو مصیبت میں جزع و فزع کرے، منہ پیٹے، گریبان پھاڑے، دورِ جاہلیت کی طرح ہائے وائے کرے اور بے صبری کا مظاہرہ کرے، اُس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے اور میں اس سے بری ہوں۔

پس جو لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حادثۂ شہادت کو یاد کرتے ہیں انھیں سوچنا چاہیئے کہ ان احادیث کی رو سے اُس وقت انھیں کیا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہے۔

اور یزید کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:
اس میں شک نہیں کہ یزید کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں:

(ا) ایک طائفہ اسے کافر قرار دیتا ہے، اور صرف اُسے ہی نہیں بلکہ اس کے باپ (حضرت معاویہؓ) کو بھی۔ اور اسی کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان وجمہور مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی کافر قرار دیتا ہے۔ یہ طائفہ رافضیوں کا ہے جو خلقِ خدا میں بڑی جہالت و ضلالت میں مبتلا طائفہ ہے۔ جو اللہ پر اور اس کے رسول

پر اور رسول اللہ کے صحابہ و اہلِ قرابت وغیرہ پر جھوٹ بولنے اور جھوٹی باتوں کا انتساب کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ یزید کی بابت ان کی کذب بیانی اسی طرح ہے جس طرح ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی بابت ہے، بلکہ یزید کی بابت کذب بیانی اور اس پر جھوٹے الزامات لگانا اُن کبارِ صحابہ پر جھوٹے الزامات لگانے کی بہ نسبت بدرجہا آسان ہے۔

(۲) دوسرا طائفہ یزید کو ائمہ ہُدیٰ، خلفائے عدل اور مومنین صالحین میں سے قرار دیتا ہے، بلکہ ان میں سے بعض یزید کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور بعض نے تو یزید کو نبی قرار دے دیا ہے۔ یہ طائفہ بھی واضح جہالت و ضلالت کا شکار ہے اور یہ سب باتیں بدترین کذب ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا، اُس نے نیک عمل بھی کیے ہیں اور اُس سے خطائیں بھی ہوئی ہیں اور اُس جیسے مسلمان بادشاہوں کی بابت جو باتیں کہی جاسکتی ہیں وہی یزید کی بابت بھی کہی جاسکتی ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر متعدد مقامات میں تفصیلی بحثیں کی ہیں۔

بعض دوسرے مقامات میں فرماتے ہیں:

یزید اپنے زمانہ میں عملاً ایک بادشاہ، حکمراں، صاحبِ سیف اور خود مختار فرمانروا تھا، اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا اور شام و مصر و عراق و خراسان وغیرہ اسلامی ممالک میں اس کا حکم چلا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ قبل اس کے کہ کسی ملک پر بھی حکمراں ہوں

یوم عاشورا ۶۱ھ میں شہید ہو گئے اور یہی یزید کی سلطنت کا پہلا سال ہے۔

یزید اور عبدالملک و منصور وغیرہ خلفاء نیک تھے یا بد، صالح تھے یا فاجر، علمائے اہل سنت نہ انہیں معصوم سمجھتے ہیں نہ ان کے تمام احکام و اعمال کو عدل و انصاف قرار دیتے ہیں اور نہ ہر بات میں ان کی اطاعت کو واجب تصور کرتے ہیں، البتہ اہل سنت کا یہ خیال ضرور ہے کہ عبادت و طاعت کے بہت سے کام ایسے ہیں جن میں ہمیں ان حکام کی ضرورت ہے، مثلاً یہ کہ ان کے پیچھے جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کرتے ہیں، ان کے ساتھ ہو کر جہاد کرتے ہیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حدود شرعیہ کے قیام میں ان سے مدد ملتی ہے اور اسی طرح دیگر بہت سے امور ان کے ذریعے انجام پاتے ہیں کہ اگر حکام نہ ہوں تو ان کا ضائع ہو جانا اغلب بلکہ ان میں سے بعض کا وجود ہی ناممکن ہے۔

امت کی مصلحتوں کا لحاظ مقدم ہے، اگر کسی فعل میں بھلائی و برائی دونوں موجود ہوں تو دیکھا جائے گا کس کا امکان زیادہ ہے۔ اگر بھلائی زیادہ نظر آئے تو اس فعل کو پسند کیا جائے گا اور اگر برائی غالب نظر آئے تو اس کے ترک کو ترجیح دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے مبعوث فرمایا ہے کہ مصالح کی تائید و تکمیل کریں اور مفاسد کی تقلیل و ازالہ۔

یزید اور عبدالملک و منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لئے کی گئی کہ ان کی مخالفت میں امت کیلئے مصلحت سے زیادہ مضرت تھی،

تاریخ شاہد ہے کہ اُن خلفاء پر جنہوں نے خروج کیا اُن سے اُمت کو سراسر نقصان ہی پہونچا، نفع ذرا بھی نہ ہوا، بلاشبہ اُن خروج کرنے والوں میں بڑے بڑے اخیار و فضلاء بھی تھے مگر اُن کی نیکی و خوبی سے ان کا ہر فعل مفید نہیں ہو سکتا، وہ اپنے خروج سے نہ دین ہی قائم کر سکے نہ دنیا ہی بنائی، اور معلوم ہے اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل کا حکم نہیں دیتا جس میں نہ دین کا بھلا ہو نہ دنیا کا۔

جن لوگوں نے خروج کیا اُن سے کہیں زیادہ افضل و برتر حضرت علی و عائشہ و طلحہ و زبیر وغیرہ تھے، مگر خود انہوں نے ان واقعات قتال پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسن بصریؒ حجاج بن یوسف ثقفی پر بغاوت سے روکتے تھے اور دوسرے اخیار و ابرار بھی خلفاء پر خروج سے اور عہد فتنہ میں جنگ سے منع کیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن مسیبؒ، حضرت زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ اکابر صحابہ و تابعین جنگ حرہ کے زمانے میں یزید پر بغاوت کرنے سے روکتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو اکابر اہل علم و تقویٰ مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابو بکر بن عبدالرحمٰن ابن حارثؓ نے بہت بہت منت کی کہ وہاں نہ جائیں کیونکہ سمجھتے تھے آپ ضرور شہید ہو جائیں گے حتیٰ کہ بعضوں نے کہا اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپ کو زبردستی پکڑ لیتے اور ہرگز جانے نہ دیتے۔ اس مشورے سے ان لوگوں کے مدنظر صرف آپ کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی مصلحت تھی، مگر حضرت

حسینؓ نے نہ مانا، آدمی کی رائے کبھی درست ہوتی ہے کبھی غلط ہو جاتی ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ روکنے والوں کی رائے درست تھی، کیونکہ آپ کے خروج سے ہرگز کوئی دینی یا دنیوی مصلحت حاصل نہیں ہوئی بلکہ الٹے یہ سانحہ پیش آیا کہ سرکشوں اور ظالموں کو رسول اللہ کے جگر گوشے پر قابو مل گیا اور انہوں نے اُسے شہید کر ڈالا۔ آپ کے خروج اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے، اگر آپ ان اکابر امت کی بات مان گئے ہوتے، کیونکہ جس خیر و صلاح کے قیام اور جس شر و فساد کے ازالہ کے لئے آپ اٹھے تھے اس میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا بلکہ اُلٹے شر کو غلبہ و عروج حاصل ہو گیا، خیر و صلاح میں کمی آگئی اور ایک دائمی فتنے کا دروازہ کھل گیا، جس طرح حضرت عثمانؓ کے قتل سے فتنے پھیلے اسی طرح حضرت حسینؓ کے قتل سے بھی فتنوں کا سیلاب اُمڈ پڑا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ائمہ و خلفاء کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے جنگ و بغاوت نہ کرنے کا حکم بالکل مناسب اور امت کے دین و دنیا کے لئے زیادہ بہتر تھا اور یہ کہ جنہوں نے بالقصد یا بلا قصد اس کی مخالفت کی ان کے فعل سے امت کو فائدہ کے بجائے نقصان ہی پہونچا۔ یہی سبب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے، عنقریب خدا اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ لیکن آپ نے اس بات پر کسی شخص کی بھی تعریف نہیں کی

کہ وہ فتنہ میں پڑے گا، یا کسی خلیفہ پر خروج کرے گا، یا اطاعت امیر سے برگشتہ ہوگا، یا جماعت سے منحرف ہوگا۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دو گروہوں میں صلح کرانا اللہ و رسول کی نظر میں مستحسن و محبوب ہے اور یہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت سے دستبردار ہو کر مسلمانوں کی خونریزی کا خاتمہ کر دینا ان کے فضائل میں ایک عظیم ترین فضیلت ہے، کیونکہ اگر خانہ جنگی واجب و مستحب ہوتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ترک پر ہرگز تعریف نہ فرماتے۔

حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ گود میں لے کر فرمایا کرتے تھے "خدایا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر"۔ چنانچہ جس طرح آپ اپنی محبت میں دونوں کو یکساں شریک کرتے تھے اُسی طرح بعد میں یہ دونوں ان خانہ جنگیوں سے یکساں طور پر نفرت کرتے تھے، حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ تو جنگِ صفین کے دن اپنے گھر بیٹھ رہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیتے تھے، پھر جب خود بااختیار ہوئے تو جنگ سے دستبردار ہو گئے اور لڑنے والوں میں صلح قائم کر دی، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی آخر میں یہ حقیقت منکشف ہو گئی تھی کہ جنگ کے جاری رہنے سے زیادہ اس کے ختم ہو جانے ہی میں مصلحت ہے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی کربلا پہنچ کر جنگ سے بیزار اور دعوئ امارت و خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے اور کہتے تھے مجھے وطن لوٹ جانے دو، یا سرحد پر چلے جانے دو، یا یزید کے پاس بھیج دو۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں : یزید کے بارے میں لوگوں نے بہت افراط و تفریط سے کام لیا ہے، ایک گروہ اسے خلفائے راشدین بلکہ انبیاء مقربین میں سے سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ اسے باطن میں کافر و منافق بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے قصداً حضرت حسینؓ کو شہید کیا اور مدینہ منورہ میں قتل عام کرایا تاکہ اپنے رشتے داروں کے خون کا انتقام لے جو بدر و خندق وغیرہ جنگوں میں بنی ہاشم و انصار کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، وہ یزید کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اس نے بعض اشعار پڑھے جس میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ ہم نے نبی سے اپنا قرض چکا لیا اور انصار سے غزوۂ بدر کا انتقام لے لیا۔

مگر یہ ساری باتیں بالکل جھوٹ و باطل ہیں اور اس کا بطلان ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جسے حقائق کا علم ہو اور جو متقدمین کی سیرت سے واقف ہو، اسی بنا پر ان باتوں کے قائل ایسے لوگ نظر نہیں آتے جو سنت نبوی کے علم میں معروف ہوں، نہ ایسے ذی فہم لوگ نظر آتے ہیں جو صحیح رائے اور صحیح جانکاری رکھتے ہوں۔

صحیح بات یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دُنیادار خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا۔ رہے حضرت حسینؓ تو بلاشبہ اسی طرح مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین کو ظلم و قہر کے ہاتھوں جام شہادت پینا پڑا ہے۔ لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسینؓ کا قتل کسی حال میں بھی اُن انبیاء کے قتل سے زیادہ گناہ

و مصیبت نہیں جنہیں بنی اسرائیل قتل کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا قتل بھی ان کے قتل سے زیادہ گناہ و حادثہ عظیم تھا، اور یہ حوادث کتنے بھی دردناک ہوں ان پر بہرحال صبر کرنا چاہیئے اور "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" کہنا چاہیئے جس سے کہ اللہ خوش ہوتا ہے اور جو کہ اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔

جس طرح لوگوں نے یزید کے بارے میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے اسی طرح حضرت حسینؓ کے بارے میں بھی بے اعتدالی برتی ہے، ایک گروہ کہتا ہے اُن کا قتل درست اور شریعت کے مطابق ہوا کیونکہ انھوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جماعت توڑنے کی سعی کی، اور جو ایسا کرے فرمانِ نبوی کے بموجب اس کا قتل واجب ہے، اور بعضوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حسینؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں حکامِ وقت کے خلاف بغاوت و خروج کی بنا ڈالی، اُن کے مقابلے میں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ حسینؓ امامِ برحق تھے، ان کی اطاعت واجب تھی ان کے بغیر ایمان کا کوئی معاملہ بھی پورا نہیں ہو سکتا، جماعت اور جمعہ اسی کے پیچھے درست ہے جسے انھوں نے قائم کیا، اور جہاد نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُن کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو۔

ان دونوں بے اعتدالیوں کے درمیان اہلِ سنت کا موقف ہے، وہ نہ یہ کہتے ہیں نہ وہ کہتے ہیں، اہلِ سنت اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت حسینؓ مظلوم شہید کیے گئے، اور وہ حدیث جس کی طرف فریقِ اول نے اشارہ کیا ہے وہ حضرت حسین پر صادق نہیں آتی ہے

کیونکہ جب انھیں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے دعویٰ خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے اور فرماتے تھے مجھے وطن لوٹ جانے دو، یا کسی سرحد پر مسلمانوں کی فوج سے جا ملنے دو، یا خود یزید کے پاس جانے دو، مگر مخالفین نے اُن کی کوئی بات نہ مانی اور اسیری قبول کرنے پر اصرار کیا جسے انھوں نے نامنظور کر دیا کیونکہ اس کو منظور کرنا ان پر شرعاً واجب نہ تھا۔

قتلِ حسینؓ کی وجہ سے شیطان کو بدعتوں اور ضلالتوں کو پھیلانے کا خوب موقعہ ملا، چنانچہ کچھ لوگ یوم عاشوراء میں خلاف شرع نوحہ وماتم کرتے ہیں، منہ پیٹتے ہیں، سینہ کوبی کرتے ہیں، اور اسی پر بس نہیں بلکہ سلف صالحین وصحابہ کو گالیاں دیتے ہیں، ان پر لعنت کرتے ہیں اور ان لوگوں تک کو لپیٹ لیتے ہیں جنہیں واقعۂ شہادت حسینؓ سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ السابقون الاولون من المهاجرين والانصار کو بھی گالیاں دیتے ہیں، نیز واقعۂ شہادت کی جو کتابیں پڑھتے ہیں وہ زیادہ تر اکاذیب واباطیل کا مجموعہ ہیں اور ان کی تصنیف واشاعت سے ان کے مصنفوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ فتنے کے نئے نئے دروازے کھولیں اور امت میں اختلاف ونزاع کو ہوا دیں۔

ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ ہے جو یوم عاشوراء میں خوشی و مسرت کے اظہار کے لیے بہت سی بدعات کرتا ہے، کوفہ میں یہ دونوں گروہ موجود تھے۔ شیعوں کا سردار مختار بن عبید کذاب تھا اور دشمنانِ علیؓ واہل بیت ناصبیوں کا سردار حجاج بن یوسف ثقفی تھا۔

احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ عنقریب قبیلۂ ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک مُبیر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں پیدا ہوئے، مختار ثقفی کذّاب تھا اور حجاج ناصبی مبیر تھا۔ اوّل الذکر کی جماعت نے یوم عاشوراء میں رنج ایجاد کیا اور ثانی الذکر کی جماعت نے اس دن کو خوشی کا دن بنالیا۔ پھر دونوں طرف سے جھوٹی حدیثیں بنائی گئیں۔ مثلاً یہ کہ جس نے یوم عاشوراء میں اپنے اہل و عیال پر کشادگی کی اللہ تعالیٰ اس پر سال بھر کشادگی کرے گا، یا یہ کہ جس نے عاشوراء کے دن سُرمہ لگایا اس کو زندگی بھر آشوبِ چشم کی شکایت نہ ہوگی اور جس نے اس دن غسل کیا وہ سال بھر بیمار نہ ہوگا چنانچہ بہت سے ناواقف لوگ ان اباطیل کو احادیث سمجھ کر ان پر عمل کرنے لگے، حالانکہ یہ سب بدعت کے کام ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والوں نے اپنی طرف سے گھڑے ہیں۔ ائمہ اربعہ اور دوسرے اماموں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں لکھی ہے۔ البتہ جمہور علماء کے نزدیک یوم عاشوراء کا روزہ مستحب ہے۔

جن لوگوں نے واقعۂ شہادت قلمبند کیا ہے ان میں سے اکثر نے بہت کچھ جھوٹ ملادیا ہے حتّٰی کہ واقعۂ شہادت کے مؤرخین میں سے بعض اہلِ علم مثلاً امام بغوی و ابن ابی الدُّنیا بھی بے بنیاد روایتوں کے شکار ہوگئے ہیں، رہے وہ مصنف جو بلا اسناد واقعات روایت کرتے ہیں تو اُن کے یہاں جھوٹ اور بھی زیادہ ہے۔ صحیح طور پر صرف اس قدر ثابت ہے کہ جب آپ شہید ہوگئے تو آپ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے

لایا گیا اس نے آپ کے دانتوں کو کُریدا اور آپ کے حُسن کی مذمت کی، مجلس میں حضرت انسؓ اور حضرت ابو برزہ اسلمیؓ دو صحابی موجود تھے، انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ بعض روایتوں میں دانتوں کو کُریدنے کا واقعہ یزید کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے، کیونکہ جو صحابی اس واقعہ میں موجود تھے وہ دمشق میں نہیں عراق میں تھے۔

متعدد راویوں سے مروی ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ وہ تو اپنے باپ حضرت معاویہؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تعظیم و تکریم کرنا چاہتا تھا، البتہ اس کی یہ خواہش ضرور تھی کہ آپ خلافت کے مدعی ہو کر اس پر خروج نہ کریں۔

حضرت حسینؓ جب کربلا پہونچے اور اہلِ کوفہ کی بے وفائی کا یقین ہو گیا تو ہر طرح کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے تھے، مگر مخالفوں نے نہ انھیں وطن واپس ہونے دیا، نہ جہاد پر جانے دیا، نہ یزید کے پاس بھیجنے پر رضامند ہوئے بلکہ قید کرنا چاہا جسے انہوں نے نامنظور کیا اور شہید ہو گئے۔ یزید اور اس کے خاندان کو جب یہ خبر پہونچی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور روئے، بلکہ یزید نے تو یہاں تک کہا: ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) پر خدا کی پھٹکار ہو، واللہ اگر وہ خود حسینؓ کا رشتے دار ہوتا تو ہرگز قتل نہ کرتا، اور کہا بغیر قتلِ حسینؓ کے بھی میں اہلِ عراق کی اطاعت منظور کر سکتا تھا۔ پھر اس نے حضرت حسینؓ کے پسماندوں کی بڑی آؤ بھگت کی اور عزت کے ساتھ انھیں مدینہ واپس پہونچا دیا۔ بلاشبہ یہ بھی

درست ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے قاتلوں سے قصاص نہ لیا لیکن یہ بالکل جھوٹ ہے کہ اس نے اہل بیت کی خواتین کو کنیز بنایا اور بغیر کجاوہ کے اونٹ پر انھیں سوار کیا اور شہروں شہروں گھمایا۔ الحمدللہ مسلمانوں نے آج تک کسی ہاشمی عورت سے یہ سلوک نہیں کیا اور نہ اسے امتِ محمدی نے کسی حال میں بھی جائز رکھا ہے۔ تاریخ میں کہیں ثابت نہیں کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں بھی کسی ہاشمی عورت کو کنیز بنایا ہو یا کبھی بنو امیہ اور یزید نے ایسا کیا ہو، بلکہ حضرت حسینؓ کے پسماندگان یزید کے محل میں داخل ہوئے تو اُن کی مصیبت پر ایک ماتم برپا ہو گیا یزید اُن کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آیا اور انھیں اختیار دیا کہ چاہیں تو زندگی بھر اس کے یہاں رہیں اور چاہیں تو اپنے گھر مدینہ لوٹ جائیں۔ انھوں نے آخری صورت پسند کی اور اس نے پوری عزت و حرمت کے ساتھ انھیں مدینہ پہونچا دیا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت حسینؓ کا قتل گناہِ عظیم تھا جنہوں نے یہ فعل کیا یا اس میں مدد کی یا اس سے خوش ہوئے وہ عتاب الٰہی کے سزوار ہیں لیکن حضرت حسینؓ کے قتل کو اس قدر مبالغہ آمیز اہمیت دینا بھی درست نہیں۔ حضرت حسینؓ کا قتل ان لوگوں کے قتل سے بڑھ کر نہیں جو ان سے افضل تھے۔ مثلاً انبیاء، مومنینِ اولین، شہدائے یمامہ، شہدائے اُحد، شہدائے بیرِ معونہ اور حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ۔ حضرت علیؓ کے قاتل تو آپ کو کافر و مرتد سمجھتے تھے کہ آپ کا قتل عظیم ترین عبادت ہے برخلاف حضرت حسینؓ کے کہ اُن کے قاتل انھیں ایسا نہیں سمجھتے تھے۔

ان میں سے اکثر تو آپ کے قتل کو ناپسند کرتے تھے لیکن دنیا کے چلتے اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے جیسا کہ لوگ سلطنت کے لئے ایسا قتل و باہمی خونریزی کیا کرتے ہیں۔

یہ باتیں جو بیان کی جاتی ہیں بالکل جھوٹ ہیں کہ اس دن آسمان سے خون برسا تھا، حالانکہ کبھی کسی کے قتل پر ایسا نہیں ہوا، یا یہ کہ آسمان پر سُرخی چھا گئی تھی، یا یہ کہ اُس دن ہر پتھر کے نیچے تازہ خون موجود ملتا تھا یہ سب خرافات ہیں۔ رہی وہ حدیث جو قاتلینِ حسینؓ کے بارے میں روایت کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسینؓ کا قاتل آگ کے تابوت میں ہوگا، اس اکیلے پر آدھی دوزخ کا عذاب ہوگا، اس کے ہاتھ پاؤں آتشی زنجیروں سے جکڑے ہوں گے، وہ دوزخ میں الٹا اتارا جائے گا یہاں تک کہ اس کی تہہ تک پہونچ جائے گا، اور اس میں اتنی سخت بدبو ہوگی کہ دوزخی تک خدا سے پناہ مانگیں گے، اور وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا جلتا رہے گا۔ تو یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت باندھنے سے نہیں شرماتے۔ فرعون اور دوسرے کفار و منافقین و قاتلینِ انبیاء و قاتلینِ مومنین اولین کا عذاب قاتلینِ حسینؓ سے کہیں زیادہ ہوگا بلکہ قاتلینِ عثمانؓ کا گناہ بھی قاتلینِ حسینؓ سے زیادہ ہوگا۔

اسی طرح یہ حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سراسر جھوٹ ہے کہ جس نے میرے اہلِ بیت کا خون بہایا اور میرے خاندان کو اذیت دے کر مجھے تکلیف پہونچائی اس پر اللہ کا اور میرا غصہ سخت ہوگا۔

اس طرح کی بات کوئی جاہل ہی کہہ سکتا ہے کیونکہ محض رشتہ اور قرابت سے زیادہ ایمان وتقویٰ کی حرمت ہے۔ اگر اہلِ بیت میں سے کوئی ایسا جرم کرے جس کے سبب قتل یا رجم کا مستوجب ہو تو اس پر یہ حد جاری کی جائے گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تمام مسلمانوں کے خون کی حرمت یکساں ہے۔ آپ نے فرمایا تھا: واللہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔ اس سے یہ وضاحت ہوگئی کہ آپ کا قریب سے قریب عزیز بھی مجرم قرار پائے گا تو اسے شرعی سزا ضرور دی جائے گی۔ پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ آپ یہ کہہ کر اپنے خاندان کو خصوصیت دیں گے کہ جو ان کا خون بہائے گا اس پر خدا کا غصہ بھڑکے گا۔

اسی طرح یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ وحسینؓ سے نیک سلوک کی مسلمانوں کو ہمیشہ وصیت کرتے اور فرماتے تھے کہ یہ تمہارے پاس میری امانت ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ اپنی اولاد کسی مخلوق کو سونپیں۔ ایسا کہنے کا مطلب کیا ہوسکتا ہے۔ مال کی طرح امانت رکھنا تو مراد نہیں ہوسکتا، نیز جس طرح بچوں کو مربیوں کے سپرد کیا جاتا ہے یہ صورت بھی یہاں درست نہیں ہوسکتی کیونکہ بچپن میں وہ اپنے والدین کی نگرانی میں تھے اور جب بالغ ہوئے تو سب آدمیوں کی طرح خود مختار اور اپنے ذمے دار ہوگئے۔ اگر یہ مطلب لیا جائے کہ آپ نے امت کو ان کی حفاظت کا حکم دیا تھا تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ امت کسی کو مصیبت سے نہیں بچا سکتی، صرف خدا

ہی ہے جو اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس سے آپ کی غرض ان کی حمایت ونصرت تھی، تو اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں، ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کی حمایت ونصرت کرنی چاہیئے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ آیت "قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔" (شوریٰ: ۲۳) حضرت حسن وحسین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ یہ آیت سورۂ شوریٰ کی ہے اور سورۂ شوریٰ مکی ہے۔ حسنین کیا معنیٰ حضرت فاطمہ کی شادی سے پہلے اتری ہے۔ حضرت فاطمہ کا عقد ہجرت کے دوسرے سال مدینہ میں ہوا اور حضرت حسن وحسین ہجرت کے تیسرے اور چوتھے سال پیدا ہوئے۔ پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

بہت سے لوگ یزید پر لعنت بھیجتے ہیں، اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

یزید پر لعنت بھیجنا چاہیئے یا نہیں؟ یہ مسئلہ صرف یزید کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس جیسے تمام دُنیا دار خلفاء بھی اس میں داخل ہیں، یزید بہت سے دوسرے حکمرانوں سے اچھا تھا، وہ عراق کے امیر مختار بن ابی عبید ثقفی سے کہیں اچھا تھا، جس نے حسینؓ کی حمایت کا علم بلند کیا، ان کے قاتلوں سے انتقام لیا، مگر ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا کہ جبرئیل اس کے پاس آتے ہیں، اسی طرح یزید حجاج بن یوسف سے اچھا تھا جو بلا اختلاف یزید سے کہیں زیادہ ظالم تھا۔ یزید اور اس کے جیسے دوسرے سلاطین اور خلفاء کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا

ہے کہ فاسق تھے لیکن کسی فاسق کو معین کر کے لعنت کرنا سنتِ نبوی میں موجود نہیں ہے، البتہ عام لعنت وارد ہے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چور پر خدا کی لعنت کہ ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔" یا فرمایا: "جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا کی لعنت۔" یا فرمایا: "شراب پینے پلانے والے پر خدا کی لعنت۔" وغیرہ وغیرہ۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص شراب پیتا تھا اور بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پکڑ کر آتا تھا، یہاں تک کہ جب کئی پھیرے ہو چکے تو ایک شخص نے کہا اس پر خدا کی لعنت ہو، بار بار پکڑا جاتا ہے اور باز نہیں آتا۔ آپ نے سنا تو فرمایا: "اسے لعنت نہ کرو، یہ اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے۔" حالانکہ آپ نے خود ہی شراب پینے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عام طور پر کسی خاص گروہ کو لعنت کرنا جائز ہے مگر اللہ و رسول سے عقیدت رکھنے والے کسی معین شخص پر لعنت بھیجنا جائز نہیں۔ اور معلوم ہے کہ ہر صاحب ایمان اللہ و رسول سے عقیدت رکھتا ہے۔ نیز بکثرت صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ مستحق رحمت و جنت ہوگا۔

جو لوگ یزید پر لعنت بھیجتے ہیں انھیں دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں، اوّل یہ کہ یزید ایسے فاسقوں اور ظالموں میں سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے۔ نیز یہ کہ وہ اپنی اسی حالت پر موت تک قائم رہا۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالموں اور فاسقوں میں سے کسی ایک کو معین کر کے لعنت کرنا

روا ہے۔ رہی آیت "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ" (ھود: ۱۸) تو یہ عام ہے جیسا کہ باقی تمام آیات وعید عام ہیں' اور اس آیت سے یہی تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ گناہ لعنت و عذاب کا مستوجب ہے' لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے اسباب اگر لعنت و عذاب کے اسباب کو زائل کر دیتے ہیں۔ مثلاً گنہگار نے سچے دل سے توبہ کر لی' یا اس سے ایسی حسنات ہوئیں جو سیئات کو مٹا دیتی ہیں' یا اس کو ایسے مصائب پیش آئے جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ اور کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ یزید اور اس جیسے بادشاہوں نے کبھی توبہ نہیں کی' یا سیئات کو زائل کرنے والے حسنات نہیں کئے یا انھیں گناہوں کا کفارہ بننے والے مصائب پیش نہیں آئے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی حال میں بھی انھیں نہیں بخشے گا جب کہ وہ خود فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" (النساء: ۴۸) خدا شرک کو نہیں بخشے گا' باقی گناہوں کو چاہے گا تو بخش دے گا۔ نیز صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی خدا ان کی بخشش فرمائے گا۔" اور معلوم ہے اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا۔[1]

---

[1] یہ روایت بخاری شریف میں کئی جگہ ہے۔ بخاری' کتاب الجہاد' باب ما قیل فی قتال الروم میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

پھر ہم سب خوب جانتے ہیں کہ اکثر مسلمان کسی نہ کسی طرح کے ظلم سے آلودہ ضرور ہوتے ہیں۔ اگر لعنت کا دروازہ اس طرح اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کے اکثر مُردے لعنت کا شکار ہو جائیں گے، حالاں کہ

اوّل جیش من اُمّتی یغزون البحر قد اوجبوا، قالت ام حرام قلت یا رسول اللہ انا فیھم، قال انت فیھم، ثم قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم "اوّل جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم" فقلت انا فیھم یا رسول اللہ، قال لا۔

یعنی میری امت کا جو پہلا لشکر بحری جہاد کرے گا، ان لوگوں نے اپنے لئے جنت کو واجب کر لیا ہے (یعنی جنت ان کے لئے واجب ہو گئی ہے) حضرت امِّ حرام کہتی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان میں سے ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں تم ان میں سے ہو"۔ پھر آپ نے فرمایا: "میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر کا جہاد کرے گا ان کے لئے مغفرت مقدر ہو چکی ہے"۔ امِّ حرام نے کہا یا رسول اللہ! میں ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری شرح بخاری" میں اس جگہ اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے اور اس سلسلہ بحث میں فرماتے ہیں:

قال المھلب: فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانہ اول من غزا البحر ومنقبۃ لولدہ یزید لانہ اوّل من غزا مدینۃ قیصر۔

یعنی اس حدیث میں منقبت ہے معاویہ کی، کیونکہ انھوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا ہے اور اسی طرح اس حدیث میں حضرت معاویہ کے لڑکے یزید کی منقبت ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) کا غزوہ کیا ہے۔ ←

اللہ تعالیٰ نے مُردوں پر نماز و دعائے رحمت کا حکم دیا ہے نہ کہ لعنت بھیجنے کا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مُردوں کو گالی مت دو، کیونکہ وہ اپنے کئے کو پہونچ گئے" بلکہ جب لوگوں نے ابوجہل جیسے

اس غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید ہی امیر الجیش تھا اور اسی کی ماتحتی میں بڑے بڑے صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) شریکِ غزوہ تھے حتیٰ کہ حضرت حسینؓ بھی اس میں شامل تھے۔ (البدایہ لابن کثیرؒ) اسی غزوہ میں حضرت ابوایوبؓ کی نماز جنازہ ان کی وصیت کے مطابق یزید ہی نے پڑھائی اور حضرت حسینؓ وساداتِ صحابہ جو بھی اس غزوہ میں شریک تھے یزید کی امامت میں تمام نمازیں پڑھتے تھے۔ کہیں بھی منقول نہیں ہے کہ کسی نے یزید کی امامت میں نماز پڑھنی ناپسند کی ہو۔

ہر صاحبِ ایمان کے بارے میں خواہ وہ فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہو، جس قدر ممکن ہو نصح وخیر کا رجحان وجذبہ ہونا چاہیئے، مگر بعض لوگوں کا یہ رجحان اور یہ کوشش عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یزید کی مغفرت کا کوئی بہانہ نکلتا نظر آتا بھی ہو تو وہ حجت وتاویل کے ذریعہ اسے مسدود کرنے کے درپے نظر آتے ہیں۔ بخاری شریف کی اس مذکورہ حدیث کی بابت بھی بعض اہلِ علم نے ایسی بحثیں چھیڑ دی ہیں کہ کسی طرح یزید کو اس مغفرتِ الٰہی سے محروم ثابت کر دیا جائے۔ یہ بات قرینِ انصاف نہیں معلوم ہوتی۔ یزید کے فسق وفجور کی من گھڑت وموضوع داستانیں تو مسلّمہ حقائق کی طرح بیان کی جاتی ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد (جو ابن الحنفیہ کے نام سے معروف ہیں) کی یہ شہادت ان حلقوں میں کسی طرح قابلِ قبول ومسموع نہیں ہو رہی ہے جسے علامہ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" ج ۸، ص ۲۳۳ میں ذکر کیا ہے:

جب حضرت عبداللہ بن زبیر کا داعی عبداللہ بن مطیع لوگوں کو یزید کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا اور یزید سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کیلئے اس پر شراب پینے، نماز نہ پڑھنے

←

کافر کو گالی دی تو آپ نے منع کیا اور فرمایا: "ہمارے مرے ہوؤں کو گالی مت دو، کیونکہ اس سے ہمارے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔" امام احمد بن حنبلؒ سے ان کے بیٹے صالح نے کہا: آپ یزید پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے؟ تو حضرت امام نے جواب دیا: "تو نے اپنے باپ کو لعنت کرنیوالا کب دیکھا۔"

اور احکام قرآنی سے تجاوز کرنے کے الزامات لگا رہا تھا تو حضرت محمد بن الحنفیہ نے فرمایا: "ما رأیت منه ما تذکرون وقد حضرته واقمت عنده فرأیته مواظبا علی الصلوات، متحریا للخیر، یسال عن الفقه، ملازما للسنة" "میں نے تو اس میں یہ باتیں نہیں دیکھی ہیں، میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے یہاں جاکر ٹھہرا بھی ہوں، میں نے تو دیکھا ہے کہ وہ نماز کا پابند ہے، خیر کا طالب ہے، علم کا متلاشی اور متبع سنت ہے۔ لوگوں نے کہا "یزید آپ کو دکھانے کیلئے یہ اعمال انجام دیتا تھا۔" یہ سن کر امام ابن الحنفیہ نے فرمایا: "یزید کو مجھ سے کس بات کا خوف و لالچ تھا کہ اس نے تصنع سے عجز و انکساری کا اظہار کیا؟ کیا تم نے خود اسے شراب پیتے دیکھا ہے؟ اگر تمہارا جواب اثبات میں ہے تو تم شراب پینے میں اس کے شریک ٹھہرے، اور اگر نہیں دیکھا تو علم کے بغیر شہادت دینا تمہارے لئے کیوں کر روا ہے؟" لوگوں نے کہا: "اگرچہ ہم نے یزید کو شراب پیتے نہیں دیکھا تاہم یہ بات درست ہے۔" اس کے جواب میں حضرت ابن الحنفیہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اہل شہادت کے بارے میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا، قرآن میں وہ فرماتا ہے: "إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ" (سورۂ زخرف: ۸۶) انہوں نے فرمایا: میں اس معاملہ میں تم سے بری ہوں" ان لوگوں نے بہت کوشش کی کہ حضرت ابن الحنفیہ یزید کے خلاف بغاوت و قتال پر آمادہ ہو جائیں اور اپنی اولاد کو بھی آمادہ کریں مگر انہوں نے کسی طرح بھی یہ بات روا نہ سمجھی۔ اس گفتگو کی تفصیل "البدایہ والنہایہ" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب خلیفہ الناصر عباسی کو معلوم ہوا کہ شیخ عبدالمغیث حربی (۵۰۰ - ۵۸۳) یزید پر لعنت بھیجنے سے روکتے ہیں تو وہ بھیس بدل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس کے بارے میں پوچھا، شیخ نے پہچان لیا کہ یہ خلیفہ الناصر ہے مگر اسے جتلایا نہیں، شیخ نے فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ مسلم حکام و خلفاء سے زبان کو روکا جائے اس لئے کہ اگر یہ دروازہ کھل گیا تو خلیفہ الناصر اپنے افعالِ شنیعہ کی بنا پر لعنت کئے جانے کا سب سے زیادہ حق دار ہوگا، پھر شیخ نے خلیفہ کے مظالم شمار کرنا شروع کئے، آخر کار خلیفہ کہنے لگا: حضور میرے لئے دعا فرمایئے اور یہ کہہ کر چل دیا۔

اگر اُن آیات کے سبب جن میں ظالموں، مفسدوں وغیرہ پر لعنت بھیجی گئی ہے لعنت کا عام سلسلہ شروع کر دیا جائے اور ان افعال کے مرتکب ہر شخص پر لعنت بھیجی جانے لگے تو اس کا مستحق یزید ہی نہیں بہت سے ہاشمی، عباسی، علوی خلفاء بھی ہوں گے، اور پھر سلسلہ بڑا دراز ہوگا۔ یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ اُن آیات کی رُو سے صرف یزید پر لعنت بھیجنے پر اصرار کیا جائے۔

ہماری آئندہ آنے والی مطبوعات

۱۔	توحید ربانی یعنی سچی مسلمانی	علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ
۲۔	تنقید سدید اجتہاد و تقلید	-'-
۳۔	فقہ و حدیث	-'-
۴۔	توحید خالص	-'-
۵۔	خطبات راشدیہ حصہ دوئم	-'-
۶۔	قرأۃ نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھنا	-'-
۷۔	چالیس احادیث	-'-
۸۔	بدیع الرسائل	-'-
۹۔	بدیع الفتاویٰ	-'-
۱۰۔	عین شین اردو	-'-
۱۱۔	رزق میں آخر حلال ہی کیوں؟	فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
۱۲۔	تقدیر کیا ہے؟	-'-
۱۳۔	سنت کی آئینی اہمیت و منکرین حدیث کے شبہات کا ازالہ	-'-

تمام مخلص حضرات اور دین کا درد رکھنے والے دوستوں سے گذارش کی جاتی ہے کہ یہ کتابیں خرید کر کے خود پڑھیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

مخیر حضرات سے اس کار خیر میں خصوصی تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔